ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

مئی ۲۰۰۱ء

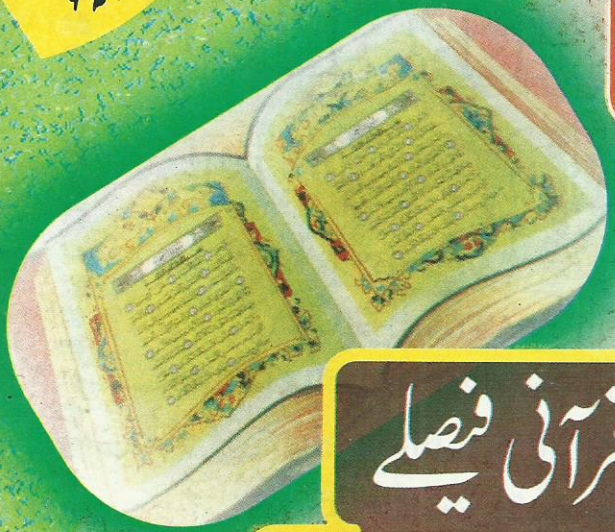

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

حضرت عائشہؓ کے قرآنی فیصلے

کبریائی مثبت تعمیری نتائج سے حاصل ہوتی ہے

لغات القرآن د ن و

قرآن کریم میں ربوٰ کی وضاحت

ظالم پنپ نہیں سکتا

پٹھان بچوں کے روز و شب

مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ رُبُوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

قیمت فی پرچہ
-/15
روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲
لاہور-۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان -/170 روپے
غیر ممالک -/800 روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 54 | مئی 2001ء | شمارہ نمبر 05

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

✲ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

✲ محترمہ شمیم انور

اکاؤنٹینٹ ------ محمد زمرد بیگ

کمپوزر ------ شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین ------ ایاز حسین انصاری

ناظم ------ اقبال ادریس

ناشر ------ عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیر

◉ عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

◉ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

◉ محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور- فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
ظالم پنپ نہیں سکتا	غلام احمد پرویزؒ	4
لغات القرآن (دن و)	غلام احمد پرویزؒ	20
حضرت عائشہؓ کے قرآنی فیصلے	رحمت اللہ طارق	22
قرآن کریم میں ربوٰ کی وضاحت	خواجہ ازہر عباس	28
پاکستان، منافقت اور ہم	پروفیسر محمد رفیع، کراچی	39
پٹھان بچوں کے شب و روز	علی محمد چدھڑ	44
جنرل نقوی کے لئے ایک کہانی	ہارون الرشید	47
فتنۂ تکفیر	ابوسفیان اصلاحی	50
دکھی انسانیت کو امن کا پیغام	ہاشم جلبپوری	54

ENGLISH SECTION

Children's Corner

i- Letter to the Editor by Ayesha — 57

ii- I have a Dream by Saira Aziz — 58

The Facts of Jewish Media Control — 64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

کبریائی مثبت تعمیری نتائج سے حاصل ہوتی ہے

دنیا کی ہر قوم اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتی ہے کہ وہ کس طرح باقی اقوامِ عالم کے مقابلے میں بڑائی اور کبریائی حاصل کر سکتی ہے۔

اس مقصد کے لئے کوئی قوم یہ سوچتی ہے کہ وہ اپنی مصنوعات کو اتنی ترقی دے کہ باقی قومیں اپنی ضروریات زندگی کے لئے اس کی محتاج ہو جائیں۔ کوئی یہ سوچتی ہے کہ وہ اپنی تجارت کو اس قدر عالمگیر بنا دے کہ ساری دنیا کی دولت سمٹ کر اس کے خزانوں میں آ جائے۔ کوئی سوچتی ہے کہ وہ بساطِ سیاست پر اس قسم کی مہرہ بازی کرے کہ باقی سب قوموں کی چالیں مات پڑ جائیں۔ کوئی کہتی ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی قوموں کو ساتھ ملا کر اپنا جتھا اتنا مضبوط کر لیں کہ کسی قوم کو ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پڑے۔ کوئی کہتی ہے کہ نہیں دنیا میں قوت کا راز اسلحہ ہے۔ ہم اپنے ہتھیاروں کو اس قدر محکم بنا لیں کہ اس آہنی دیوار کو کوئی توڑ نہ سکے اور ان میں ایسے ایسے اضافے کرتے رہیں جن کا جواب کسی کے پاس نہ ہو۔ یہ سب قومیں اسی انداز سے سوچتی ہیں اور اپنے اپنے طور پر مطمئن ہو جاتی ہیں کہ اگر ہم نے یوں کر لیا تو پھر ہمیں راستے سے ہٹانے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ سب تجویزیں غلط ہیں تم ان میں سے جو تدبیر چاہے کر کے دیکھ لو۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (۷/۱۴۶)

ہم اپنے قوانین کے زور سے ان تمام لوگوں کو زندگی کی راہ سے ہٹا کر الگ کر دیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ (نوع انسانی کے لئے) ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کئے بغیر دنیا میں بڑائی اور کبریائی حاصل کر لیں۔

بڑائی اور کبریائی صرف اسے حاصل ہو گی جو مثبت تعمیری نتائج (Positive, Constructive results) پیدا کرنے والے کام کریں گے۔ جو ایسا نہیں کریں گے انہیں بساطِ زندگی سے ہٹا کر الگ کر دیا جائے گا۔

کوئی ہے جو اس پندبر دیوار سے نصیحت حاصل کرے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظالم پنپ نہیں سکتا

''ان کی تباہی پر نہ آسمان رویا' نہ زمین کی آنکھ نم آلود ہوئی'' ____ (القرآن العظیم)

_____ پرویز

قریب 35 سال پہلے کا ذکر ہے' اس موضوع پر پرویز صاحب کا ایک مبسوط مقالہ شائع ہوا تھا۔ اس دوران میں دنیا میں ظلم بڑھتا چلا گیا اور آج اس بدنصیب کرۂ ارض کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ظلم کا دور دورہ نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جس وسعت' شدت' گیرائی اور گہرائی سے یہ آج نوع انسان پر مسلط ہے تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بنابریں ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کے حقائق اور اس کی تنبیہات وتنذیرات کو بار بار سامنے لایا جائے بالخصوص اپنی قوم کے سامنے جو قرآن کریم پر ایمان کی مدعی ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر اس مقالہ کو درج مجلّہ کیا جاتا ہے۔۔۔ طلوع اسلام

دو ذہنیتوں کا فرق قابل غور ہے۔

ایک شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ایسا انتظام کرلوں کہ قانون کی گرفت میں نہ آسکوں' یا اگر اس کی گرفت میں آ بھی جاؤں تو' اپنے اثر ورسوخ' سفارش' رشوت سے مواخذہ سے بچ جاؤں تو پھر مجھے کسی کی پرواہ نہیں' میں جس پر چاہوں' ظلم و زیادتی کروں جن طریقوں سے چاہوں اپنے مفاد حاصل کروں۔ جس قانون کی جی چاہے' خلاف ورزی کروں' جس قسم کی چاہوں دھاندلی مچاؤں' میں اپنے ہر مقصد میں کامیاب رہوں گا اور مجھے کسی قسم کا خوف وخطرہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایک قوم سوچتی ہے کہ اگر میں اپنے ہاں کافی قوت جمع کرلوں' تو پھر جس قوم کا جی چاہے گلا دبا دوں' جسے چاہوں اپنا غلام بنا لوں' جس پر چاہوں ظلم واستبداد کروں' ہر طرح کی کامیابیاں اور کامرانیاں میرے حصے میں آئیں گی۔ مجھے کسی سے کوئی ڈر اور خوف نہیں ہوگا۔

لیکن ایک اور شخص (یا قوم) ہے جسے ہر طرح کی قوت حاصل ہے۔ اس کا اثر ورسوخ بھی کافی ہے' دولت اور ذرائع کی بھی کمی نہیں' اسے دوسروں پر ظلم وزیادتی کرنے کے تمام مواقع حاصل ہیں۔ اسے جائز وناجائز طریق سے مال دولت حاصل کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لوٹ کھسوٹ او سلب ونہب کی کوئی باز پرس نہیں کرسکتا۔ غرضیکہ دنیا میں کوئی قوت ایسی نہیں جو اس کا ہاتھ روک سکے یا گلا دبا سکے۔ اس کے گردوپیش افراد (یا اقوام' دن دہاڑے ناانصافیاں کرتے او (بظاہر) پھولتے پھلتے چلے جاتے ہیں لیکن اس کے سامنے زندگی کا ایک محکم نظریہ' ایک اٹل قانون حیات' ایک غیر متبدل کلیہ ہے جس کی صداقت پر اسے یقین کامل ہے۔ یعنی یہ کہ۔

انہ لا یفلح الظالمون (۶/۲۱)

یاد رکھو! ظلم کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ظالم کی کھیتی پروان نہیں چڑھ سکتی' وہ کبھی پنپ نہیں سکتا۔

اس نظریہ زندگی' اس قانون حیات' اس محکم کلیہ پر اس کا ایمان' ظلم و جور' استبداد کے ہر قسم کے ذرائع' اور مواقع کے باوجود' اسے کبھی ظلم و جور پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ لوگ اس سے کہتے ہیں کہ تم کس فریب میں مبتلا ہو' دیکھتے نہیں کہ لوٹ کھسوٹ کرنے والے کس طرح دن دونی رات چگنی ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے مواقع روز بروز نہیں آتے۔ لیکن وہ اس ترغیب و تحریص کے باوجود' کامیابی کے لئے کوئی ناجائز طریقہ اختیار نہیں کرتا اور اپنے ''ناصح مشفق'' سے بہ خفیف تبسم کہہ دیتا ہے کہ جسے تم ان کی ترقی سمجھ رہے ہو۔ یہ سب ''جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری'' ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ

فقطع دابر القوم الذین ظلموا (۶/۴۵)

ظلم کرنے والی قوم کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

زندگی کا یہ قانون اٹل ہے کہ ھل یھلک الا القوم الظالمون (۶/۴۷) ظالم قوم کی تباہی یقینی ہے۔ وہ زندگی کی شادابیوں اور خوشگواریوں سے محروم رہ جاتی ہے۔

لعنۃ اللہ علی الظالمین (۷/۴۵)

اول الذکر ذہنیت کا نام ہے۔۔ خدا سے انکار۔۔ اسے کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی خدا کے ابدی قوانین کی صداقت سے انکار بلالحاظ اس امر کے کہ وہ زبان سے اس کا اقرار کرتی ہے یا نہیں۔۔ اور ثانی الذکر ذہنیت کو خدا پر ایمان کہتے ہیں اور اس قسم کا ایمان رکھنے والوں کو قرآن کی زبان میں مومن اور مسلم کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

آیئے! ہم دیکھیں کہ ہمارا شمار کس گروہ میں ہوتا ہے۔

ظلم کسے کہتے ہیں؟

اس مقصد کے لئے سب سے پہلے' یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ظلم کہتے کسے ہیں؟ اس کے معانی کیا ہیں اور مفہوم کیا؟

لفظ ظلم کے بنیادی معنی ''کمی کرنے'' کے ہیں۔ یعنی کسی کے حقوق و واجبات میں کمی کرنا۔ اسے وہ کچھ' اور اتنا نہ دینا جس کا وہ حقدار ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں ہر قسم کی ناانصافی' جور' استبداد' قانون کی خلافی ورزی اور سرکشی آجاتی ہے۔ لیکن امام راغب نے اس (لفظ) کی ایک ایسی تعریف (Definition) دی ہے جو اس کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ یعنی ظلم سے مراد ہے۔

کسی شے کا اس مقام پر نہ ہونا جس مقام پر اسے ہونا چاہئے۔

اسی سے لفظ ''ظلمت'' آتا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔۔ جس مقام پر روشنی ہونی چاہئے تھی۔ وہاں روشنی کے بجائے تاریکی ہونا۔

یہ تو ہوئے اس کے لغوی معنی۔ لیکن قرآن کریم' اس کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو اس صراحت اور وضاحت سے سامنے لایا ہے کہ ان کی روشنی میں' اس جامع حقیقت کے سمجھنے میں کوئی دشواری ہی نہیں رہتی کہ ظلم کسے کہتے ہیں۔ اور ظالم کون ہوتا ہے۔

شرک سب سے بڑا ظلم ہے

سب سے پہلے وہ ظلم کے ایک ایسے گوشے کو سامنے لاتا ہے۔ جس کی طرف کسی کی نگاہ ہی نہیں اٹھ سکتی تھی۔ آپ نے کبھی کسی کو یہ کہتے نہیں سنا ہوگا کہ شرک' ظلم ہے اور مشرک' ظالم ہوتا ہے۔ لیکن قران کا اعلان ہے کہ شرک' ظلم ہی نہیں بلکہ ''ظلم عظیم'' ہے (۳۱/۱۳) یہ نکتہ غور سے سمجھنے کے قابل ہے۔

قرآن کریم کی رو سے توحید (یعنی ایک خدا کو ماننے) سے مراد یہ ہے کہ انسان' صرف قوانین و احکام خداوندی کی اطاعت کرے۔ اس کے سوا کسی اور کی اطاعت نہ کرے۔ اگر اس نے' خدا کے علاوہ کسی اور کے احکام و قوانین کی اطاعت کی' تو اس نے گویا' اس شخص (یا قوت) کو اس اقتدار و اختیار میں شریک کر لیا جو صرف خدا کے لئے مختص تھا۔ اس سے یہ شخص (یا قوت) اس مقام پر نہ رہے جس مقام پر انہیں رہنا چاہئے تھا۔ اس سے بڑا شرک اور کیا ہوگا؟

دوسری طرف اس انسان کو لیجئے جو شرک کا مرتکب

ہوتا ہے۔ خدا نے انسان کو کائنات میں سب سے بلند مقام عطا فرمایا ہے اس نے کہا ہے کہ۔۔۔ وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ۔ (۴۵/۱۳) ''جو کچھ زمین و آسمان میں ہے' خدا نے اس سب کو تمہارے لئے تابع تسخیر کر دیا ہے'' یہ تو رہا خارجی کائنات کے متعلق۔ باقی رہے دوسرے انسان' تو اس نے کہا ہے کہ۔۔ ولقد کرمنا بنی ادم (۱۷/۷۰) ہم نے تمام انسانوں کو یکساں طور پر واجب التکریم پیدا کیا ہے۔ اب اگر ایک انسان' خارجی کائنات کی کسی قوت کے سامنے جھکتا ہے تو یہ اپنے جیسے انسان کو اپنا حاکم قرار دیتا ہے۔ اس کا یہ عمل' دونوں صورتوں میں شرف انسانیت کی تذلیل کا موجب ہے اس نے اپنے آپ کو اس مقام پر نہیں رکھا جس مقام پر انسان ہونے کی حیثیت سے اسے ہونا چاہئے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

شرک کی پہلی صورت اگر خدا کے خلاف شرک تھا تو دوسری صورت' خود انسان کی اپنی ذات کے خلاف شرک ہے اور یہ ''ظلم عظیم'' ہے۔

شرک (ظلم عظیم) کی اس شکل کو سامنے رکھئے اور پھر دیکھئے کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو اس جرم کے مرتکب نہیں ہو رہے۔۔ زندہ انسان تو ایک طرف ہماری ذلت کی انتہا ہے کہ ہم مردہ انسانوں تک کے حضور جھکتے اور گڑگڑاتے ہیں اور ہر سانس میں غیر خداوندی احکام و قوانین کی اطاعت کرتے ہیں۔ (یاد رکھئے! خدا کی عبادت کے معنی خدا کی اطاعت ہیں۔ یعنی اس کے احکام و قوانین کی اطاعت کرنا)۔

یہاں تک تو شرک (یعنی ظلم عظیم) کی اس نوع کا ذکر تھا جس میں انسان کسی دوسرے کی محکومیت اختیار کرتا ہے۔ لیکن قرآن کریم اس باب میں' ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر خدا کے احکام و قوانین کے خلاف تم اپنے جذبات و خواہشات کے پیچھے چلنے لگ جاؤ تو یہ بھی شرک ہے۔ تمہارے جذبات کا صحیح مقام یہ ہے کہ ان سے' قوانین خداوندی کی روشنی میں کام لیا جائے' نہ یہ کہ انہیں اپنے آپ پر مسلط کر لیا جائے۔ یہ بھی ظلم ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

بل اتبع الذین ظلموا اھواء ھم بغیر علم (۳۰/۲۹)

یہ ظالم' وحی کی روشنی کے بغیر' اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی کہ اتباع جذبات کو ظلم سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن بادنیٰ تعمق یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ ظلم و تعدی کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان قوانین خداوندی کو چھوڑ کر' اپنی من مانی کرنے لگ جائے۔ اسی کو ''اتباع جذبات بغیر علم'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو شخص' اپنے جذبات و خواہشات کو وحی کے تابع رکھے اور یوں تمام معاملات کے فیصلے' قوانین خداوندی کے مطابق کرے۔ اس سے ظلم سرزد ہو نہیں سکتا۔

ظالم حکومت

یہی چیز جب انفرادی زندگی سے آگے بڑھ کر' انسانوں کی اجتماعی زندگی سے متعلق ہو جائے' تو اس وقت یوں کہا جائے گا کہ عدل و انصاف پر مبنی حکومت وہی کہلا سکتی ہے جس میں تمام امور کے فیصلے قوانین خداوندی کے مطابق ہوں۔ جو نظام مملکت' قوانین خداوندی کے مطابق قائم نہ ہو' قرآن کریم اسے ظالم کہہ کر پکارتا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون۔ (۵/۴۵)

جو حکومت' وحی خداوندی کے مطابق فیصلے نہیں کرتی' تو یہی لوگ ہیں۔ جنہیں ظالم کہا جاتا ہے۔

منافقت

ایک انداز یہ بھی ہوتا ہے کہ جب دیکھا جائے کہ خدا کے کسی حکم یا قانون کے مطابق فیصلہ لینے میں فائدہ ہوتا ہے' اس کی اطاعت اختیار کر لی جائے' لیکن جو قانون اپنے خلاف جاتا ہو' اس سے اعراض برتا جائے۔ قرآن کریم اس منافقانہ طرز زندگی کو بھی ظلم سے تعبیر کرتا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں لیکن اس کے بعد ان کا ایک گروہ اس اطاعت سے روگردانی اختیار کر لیتا ہے۔ یہ درحقیقت مومن ہیں ہی نہیں۔

اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جب انہیں اس نظام کی طرف بلایا جاتا ہے جسے خدا کے رسول نے احکام خداوندی نافذ کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔ تاکہ وہ ان کے متنازعہ معاملات کا فیصلہ کرے، تو وہ گروہ اس سے اعراض برتتا ہے لیکن اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا تو وہ اس کی اطاعت کے لئے لپک کر آتے ہیں.......... اولئک هم الظالمون۔ (۲۴/۴۷۔۵۰) یہ لوگ بھی ظالم ہیں۔

غلط نظریہ زندگی

اصل یہ ہے کہ اس قسم کا منافقانہ انداز اختیار ہی وہ کرتا ہے جسے صحیح نظریہ زندگی پر ایمان نہ ہو۔ نظریہ زندگی ہی (جسے قرآن کلمہ کہہ کر پکارتا ہے اور دور حاضرہ کی اصطلاح میں جسے آئیڈیالوجی کہا جاتا ہے) انسانی عمل کے غلط یا صحیح ہونے کا معیار ہوتا ہے۔ غلط نظریہ زندگی کو نہ خود ثبات ہوتا ہے، نہ ہی اس بنیاد پر اٹھی ہوئی عمارت اعمال استوار ہو سکتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے غلط نظریہ زندگی کے حاملین کو بھی ظالم کہہ کر پکارا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ہے۔

صحیح نظریہ زندگی کی مثال ایک ایسے عمدہ پھلدار درخت کی سی ہے جس کی جڑیں پاتال میں، محکم و استوار، ہوں اور اس کی شاخیں فضائے آسمانی میں جھولے جھول رہی ہوں۔ وہ درخت، قانون خداوندی کے مطابق، ہر زمانے میں، ہر موسم میں، پھل دیئے جاتا ہے۔ اس طرح اللہ بسیط حقائق کو محسوس مثالوں کے ذریعے واضح کر دیتا ہے تاکہ لوگ انہیں اچھی طرح سمجھ جائیں۔

اس کے برعکس، غلط نظریہ زندگی کی مثال ایک ایسے نکمے درخت کی سی ہے جس کی کھوکھلی سی جڑ، زمین کے اوپر ہی اوپر ہو، کہ اسے جب جی چاہے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

اس طرح خدا، اس محکم نظریہ زندگی کی رو سے، ایمان والوں کی جماعت کو، ان کی دنیاوی زندگی میں بھی ثبات و تمکن عطا کر دیتا ہے اور اخروی زندگی میں بھی۔ اس کے برعکس غلط نظریہ زندگی کے حامل (ظالمین) کی تمام کوششیں رائیگاں جاتی ہیں اور یہ سب کچھ خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۱۴/۲۶۔۲۷)

دو نظریاتِ حیات

ایک نظریہ زندگی یہ ہے کہ انسان صرف اس کے طبیعی جسم کا نام نہیں۔ اس میں ایک اور چیز بھی ہے جسے انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ جسم کی پرورش اور آسائش اس لئے ضروری ہے کہ زندگی کی موجودہ سطح پر یہ اس کی ذات کا مرکب ہے اور اس کے فیصلوں کو بروئے کار لانے کا ذریعہ۔ زندگی کا حقیقی مقصود انسانی ذات کی نشوونما ہے اس لئے انسان جو کام بھی کرے اس میں دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ کس حد تک اس کی ذات کی نشوونما کے لئے ممد و معاون ہو سکتا ہے جس عمل کا جذبہ محرکہ یہ ہو اسے ثبات و قرار ہوتا ہے کیونکہ وہ گویا اس کی ذات کا جزو بن جاتا ہے جو جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتی۔

اس کے برعکس دوسرا نظریہ یہ ہے کہ زندگی بس اسی جسم کی زندگی ہے۔ اس کے خاتمہ پر خود انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نظریہ زندگی کا حامل جو کچھ کرے گا، اس لئے کرے گا کہ اسے جسم کی پرورش و آسائش کا سامان ہاتھ آ جائے۔ اگر وہ کوئی ایسا کام بھی کرے گا جسے عام اصطلاح میں ''نیکی'' کہا جاتا ہے۔ تو اس کا جذبہ محرکہ اپنی نمود و نمائش ہو گا جس سے انسان کے ایغو کی تسکین ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے اعمال کے لئے بقا نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے

اسے ''اپنی ذات پر ظلم'' سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے۔

ایسے لوگوں کے پیش نظر صرف طبیعی زندگی کی آسائشیں ہوتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے جو کچھ صرف کیا جائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے شدت کی سرد ہوا چلے اور ان لوگوں کی کھیتی تک جا پہنچے' جنہوں نے قانون خداوندی کے مطابق اس کی حفاظت کا سامان نہیں کر رکھا' تو یہ ہوا ان کی کھیتی کو تباہ کر دے گی۔ یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کر رکھا تھا۔ یاد رکھو! خدا کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا' لوگ خود اپنے آپ پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ بھگتتے ہیں۔ (۳/۱۱۶)

غلط معاشی نظام

ظلم کا عام مفہوم یہ ہے کہ دوسروں کے واجبات پورے پورے ادا نہ کئے جائیں۔ ان کے حقوق کا اتلاف کیا جائے۔ دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھا لیا جائے دوسروں کی محنت کی کمائی پر تن آسانی اور عیش سامانی کی زندگی بسر کی جائے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ یہ سب خرابیاں غلط معاشی نظام کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لئے غلط معاشی نظام' بجائے خویش بہت بڑا ظلم ہے اور اس قسم کے نظام کے حامل' سب سے بڑے ظالم۔ قرآن کریم میں معاشیات کے متعلق اس قدر وضاحت اور کثرت سے آیا ہے کہ ضمنی طور پر اس کا احاطہ ممکن نہیں۔ (میں اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں) اس لئے اس مقام پر' اس کے صرف دو ایک گوشوں کو سامنے لایا جائے گا۔ مثلاً سورۂ النحل میں ہے۔

قوموں پر تباہیاں کیوں اور کب آتی ہیں' اسے ایک مثال سے سمجھو۔ ایک بستی تھی' جسے خارجی خطرات کی طرف سے امن اور داخلی کشمکش سے اطمینان حاصل تھا۔ اس کی طرف ہر سمت سے سامان رزق کھنچے چلا آتا تھا۔ اس کے رہنے والے بڑے خوشحال اور فارغ البال تھے۔ لیکن انہوں نے خدا کی ان بخشائشوں کی ناقدر شناسی کی۔ (بڑے بڑے لوگوں نے انہیں اپنے لئے سمیٹنا اور چھپانا شروع کر دیا۔) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری ہو گیا۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا ساختہ پرداختہ تھا۔

ان کے پاس خود انہی میں سے خدا کا ایک پیغامبر آیا۔ لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا تو ان پر ہلاکت کا عذاب مسلط ہو گیا۔

اور یہ سب اس لئے ہوا کہ ھم ظالمون وہ ظالم تھے۔ (۱۶/۱۱۲-۱۱۳)

اسی قسم کی مثال اس نے سورۂ کہف (آیات ۳۲-۴۳) میں بھی دی ہے اور تباہ ہونے والے کے متعلق کہا ہے کہ ھو ظالم لنفسہ۔ اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا۔ جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کی شکل میں سامنے آیا۔

ننانویں دُنبیاں

غلط معاشی نظام کی ایک بنیادی خرابی یہ ہوتی ہے کہ اس میں بڑا سرمایہ' چھوٹے سرمایہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں غریب' غریب تر اور امیر' امیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ظلم کی یہ وہ شق ہے۔ جسے قرآن کریم نے' حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کے سلسلہ میں یوں بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ان کے پاس دو شخص اپنا مقدمہ لے کر آئے۔

مستغیث نے کہا کہ فریق ثانی میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اس لئے بڑا خوش حال ہے اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے جو میری معاش کا واحد سہارا ہے۔ اب بجائے اس کے کہ یہ اپنے غریب بھائی کی کچھ مدد کرے۔ مجھ سے کہتا ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دیدے۔ چونکہ امیر آدمی ہے اور صاحب اثر' اس لئے باتوں میں مجھے دبا لیتا

ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں اب آپ فیصلہ کیجئے کہ کیا اس کا یہ مطالبہ جائز ہے۔

داؤد نے کہا کہ اس شخص کا یہ مطالبہ سراسر ظلم اور زیادتی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ جب بھی مل جل کر رہتے اور کاروبار میں باہمی شراکت کرتے ہیں تو ان میں سے اکثر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔ (۳۸/۲۳-۲۴)

ربٰو

بڑا سرمایہ دار دوسروں کی محنت کی کمائی کو کس طرح غصب کر لیتا ہے' اسے قرآن کریم نے ربٰو سے تعبیر کیا ہے۔ ربٰو کے معنی صرف سود نہیں۔ اس سے مراد ہے سرمایہ کا معاوضہ لینا خواہ وہ کسی شکل میں ہو۔ قرآن کریم کی رو سے' معاوضہ صرف محنت کا ہو سکتا ہے۔ سرمایہ کا نہیں۔ سود بھی اسی لئے حرام ہے کہ اس میں معاوضہ' سرمایہ کا لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی وضاحت کے لئے کہ جس نے کسی کو کچھ سرمایہ دیا ہے' اسے صرف سرمایہ واپس لینے کا حق ہے۔ اس سے زائد کچھ نہیں۔ بڑا جامع فقرہ ارشاد فرمایا ہے جب کہا ہے کہ اس طرح سے

لا تظلمون ولا تظلمون (۲/۲۷۹)

لہٰذا محض سرمائے کے بدلے میں دوسروں کی محنت سے کچھ لینا ظلم ہے۔ موجودہ نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہی اس پر ہے۔

مترفین

جو لوگ خود محنت نہیں کرتے بلکہ (اپنے سرمایہ کے زور پر) دوسروں کی محنت کی کمائی غصب کر لیتے' اور اس طرح تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں' قرآن کریم انہیں مترفین کہہ کر پکارتا ہے۔ قرآن کریم نے ایسی قوم کا انجام کیا بتایا ہے جس میں اس قسم کا معاشی نظام رائج ہو' یہ غور سے دیکھنے کی چیز ہے۔ سورۂ انبیاء میں ہے۔

ہم نے تم سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو تباہ کر دیا جنہوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی۔ وہ تباہ ہو گئیں اور ان کی جگہ دوسری قوموں نے لے لی۔ ان کی غلط روش کے نتائج غیر محسوس طور پر مرتب ہوتے جا رہے تھے اور ان سے کہا جا رہا تھا کہ تم اس روش کو چھوڑ دو' ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ لیکن انہوں نے ایک نہ مانی چنانچہ وہ غیر محسوس نتائج آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے۔ حتیٰ کہ وہ محسوس طور پر ان کے سامنے آ گئے' تو وہ انہیں دیکھ کر لگے بھاگنے۔

لیکن اس وقت وہ بھاگ کہاں سکتے تھے چنانچہ ہمارے قانون مکافات نے انہیں للکارا اور کہا کہ اب تم بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو۔ مت بھاگو اور الٹے پاؤں اپنی انہی عیش سامانیوں کی طرف چلو (ما اترفتم فیه) جنہیں تم نے دوسروں کی کمائی سے حاصل کر رکھا تھا۔ اور ان محلات کی طرف پلٹو جن میں تم اپنے آپ کو اس قدر محفوظ سمجھا کرتے تھے۔ وہاں چلو تا کہ تم سے پوچھا جائے کہ یہ کچھ کس کی محنت سے بنا تھا اور تمہارا اس پر کیا حق تھا۔

اس وقت انہیں اس حقیقت کے اعتراف کے بغیر چارہ ہی نہ تھا کہ وہ واقعی ظالم تھے اور اپنے کئے پر سخت متاسف۔

لیکن اس وقت اس ندامت اور تاسف سے کیا ہو سکتا تھا۔ جب نتائج مرتب ہو کر سامنے آ جائیں تو پھر وہ پلٹا نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ برابر چلاتے رہے کہ جو زیادتیاں انہوں نے کی ہیں وہ ان پر بے حد متاسف ہیں۔ لیکن ہمارے قانون مکافات نے انہیں ایسے کر دیا جیسے کٹا ہوا کھیت' یا بجھا ہوا شعلہ (۲۱/۱۱-۱۵)

ان تباہ ہونے والوں کے متعلق دوسرے مقام پر کہا ہے۔ کہ ان کا یہ حال تھا کہ یہ ظالم اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگے رہتے اور دوسروں کا سب کچھ لوٹ کھسوٹ کر لے جاتے' تا کہ ان کی آسودگیوں اور

تن آسانیوں میں فرق نہ آنے پائے' خواہ باقی انسانوں پر کچھ ہی کیوں نہ گزرے۔ یہ تھے ان کے وہ جرائم جن کی وجہ سے ان پر تباہی آئی تھی۔

یاد رکھو! خدا نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ کسی بستی کو یونہی اندھا دھند ظلم و زیادتی سے تباہ کر دے' درآں حالیکہ وہاں کے رہنے والے' اپنے اور دوسروں کے حالات کو سنوارنے والے ہوں۔ (۱۱/۱۱۶۔۱۱۷)

باطل

اسی کو قرآن کریم نے ''دوسروں کے مال کو باطل طریق سے کھا جانے'' سے تعبیر کیا ہے (۴/۲۹) اور کہا ہے کہ۔

ومن یفعل ذالک عدوانا و ظلما فسوف نصلیه نارا (۴/۳۰) یاد رکھو! جو معاشرہ ظلم و سرکشی سے ایسی روش اختیار کرے گا۔ وہ بہت جلد تباہیوں کی آگ میں جھلس کر رہ جائے گا۔ چونکہ اس قسم کا ظلم و جور انہی لوگوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جو معاشرہ میں تنہا رہ جائیں۔ جن کا جتھہ یا پارٹی کوئی نہ ہو۔ اس لئے اسے خاص طور پر دہرایا گیا کہ

یاد رکھو! جو لوگ ظلم و زیادتی سے ایسے لوگوں کا مال کھا جاتے ہیں جو معاشرہ میں تنہا رہ جائیں۔ ان کے متعلق یوں سمجھو گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ (۴/۱۱۱)

مذہبی پیشوائیت

یوں تو قرآن کریم میں ہر ناجائز طریقہ کو باطل کہا گیا ہے لیکن' حق کی ضد ہونے کی بناء پر اس سے مراد وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو بغیر کسی تعمیری کام کرنے کے' مفت میں بیٹھے دوسروں کی کمائی کھاتے رہیں۔ یعنی ایک تو وہ گروہ تھا جو اپنا سرمایہ لگا کر دوسروں کی محنت غصب کرتا تھا۔ لیکن یہ وہ گروہ ہے جو سرمایہ تک بھی نہیں لگاتا اور دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتا ہے یہ گروہ ہے مذہبی علماء اور روحانی پیشواؤں کا جن کی تصریح قرآن کریم نے ان الفاظ میں کر دی کہ:

یایها الذین امنوا ان کثیرا من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل الله (۹/۳۴)

اے جماعت مومنین! (ان مذہبی عالموں اور روحانی پیشواؤں سے ہوشیار رہو) یہ (الا ماشاء اللہ) وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا مال باطل طریق پر کھا جاتے ہیں۔ عوام بچارے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف دعوت دینے والے لوگ ہیں۔ حالانکہ ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ خدا کی راہ کی طرف آنے نہ پائیں کیونکہ اس سے ان کی پیشوائیت ختم ہو جاتی ہے۔

اس کی وضاحت آگے چل کر یوں کر دی کہ

ان کی حالت یہ ہے کہ اپنے خود ساختہ مسلک کو شریعت خداوندی کا نام دے کر' لوگوں کو خدا کے سچے راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے صاف اور سیدھے راستے میں خواہ مخواہ پیچ و خم پیدا کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے قانون مکافات اور حیات آخرت پر ان کا ایمان ہی نہیں ہوتا۔ انہوں نے مذہب کو محض بطور پیشہ اختیار کر رکھا ہوتا ہے۔ یہ وہ ظالم ہیں جن پر خدا کی لعنت برستی ہے۔ (۱۱/۱۷۔۱۹)

اس طرح یہ لوگ دین میں اختلافات پیدا کر کے' امت کو فرقوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہ وہ ظلم ہے جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ سورہ زخرف میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں) ہے۔

فاختلف الاحزاب من بینهم فویل للذین ظلموا من عذاب یوم الیم. (۴۳/۶۵)

ان میں مختلف گروہوں نے باہمی اختلاف پیدا کر لیا۔ سو جو لوگ اس طرح ظالم بن جائیں ان کے لئے الم انگیز تباہی کا عذاب ہوتا ہے۔

عام جرائم

یہ ظلم کی موٹی موٹی شقیں ہیں ان کے علاوہ قرآن کریم نے عام قوانین کی خلاف ورزی کو بھی (جسے جرائم سے تعبیر کیا جاتا ہے) ظلم کہہ کر پکارا ہے۔ مثلاً ان لوگوں کو جو میدان جنگ میں دغا دیں' ظالمین کہا ہے۔ (۳/۱۲۷) چوری کے جرم کو بھی ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳۹-۵/۳۸) حتیٰ کہ ہر قسم کی لغزش کو بھی (۴/۶۴)۔ ان لغزشوں میں' معاشرتی زندگی کی وہ برائیاں بھی شامل ہیں' جو غلط معاشرہ میں اس قدر عام ہو جاتی ہیں کہ انہیں پھر برائیاں سمجھا ہی نہیں جاتا۔ مثلاً سورۂ حجرات میں ہے۔

اے جماعت مومنین! یاد رکھو۔ ایسا کبھی نہ ہو کہ تم میں سے ایک فریق' دوسرے فریق کا مذاق اڑانے لگ جائے اور اسے ذلیل اور حقیر کرنے کی کوشش کرے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تم سے بہتر ہی ہوں۔۔۔ نہ تمہارے مرد یہ کچھ کریں نہ عورتیں۔ نہ ہی تم ایک دوسرے کے خلاف عیب لگاؤ (بہتان تراشی کرو) نہ طعن و تشنیع کرو۔ نہ ایک دوسرے کے الٹے پلٹے نام رکھو۔ جب تم ایمان لا کر بلند اخلاق کے حامل بننے کا تہیہ کر چکے ہو تو پھر آپس میں ایک دوسرے کے برے نام رکھنے کا کیا مطلب؟ یہ بری بات ہے۔ اگر تم میں سے کسی نے ایسا کیا ہے تو اسے اپنے کئے پر نادم ہو کر فوراً اس روش کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کا شمار ظالمین میں ہو جائے گا۔ (۴۹/۱۱)

اس سے اگلی آیت میں یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کے متعلق ہمیشہ حسن ظن سے کام لو اور بدگمانی سے بچو۔ نہ ہی کسی کی راز کی باتوں کی ٹوہ میں لگے رہو' نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ یہ سب برائیاں ایسی ہیں۔ جو ظلم کی شق میں آ جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ جو لوگ قوانین خداوندی کا مذاق اڑائیں اور انہیں (Seriously) نہ لیں' انہیں بھی ظالم قرار دیا گیا ہے اور ان سے کنارہ کش رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (۶/۶۸)

عدالتی نظام میں' مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا دینا بھی ظلم ہے۔ (۶/۶۱)

ظلم اور رحم

یہ ہیں ظلم کی نوعیتیں جو قرآن کریم کے مختلف مقامات میں بیان ہوئی ہیں۔ آپ انہیں سامنے رکھئے اور پھر سوچئے کہ ان میں سے کوئی شق بھی ایسی ہے جو ہمارے معاشرہ میں (نہ صرف یہ کہ پائی نہ جاتی ہو بلکہ) عام نہ ہو چکی ہو! اس حقیقت کو سامنے رکھئے اور پھر قرآن کریم کے ان حتمی اور یقینی اعلانات کو سامنے لائیے' جنہیں اس نے اپنے غیر متبدل قوانین کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ یعنی یہ کہ

ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا (۶/۲۱)

ظالم کی کھیتی کبھی پروان نہیں چڑھ سکتی۔ (۲۸/۳۷)

ظالم قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ (۶/۴۷)

وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتی ہے۔ (۷/۴۴)

اس کی جڑ کٹ جاتی ہے اور انسانیت اس پر خدا کا شکر ادا کرتی ہے (۶/۴۵)

قرآن کریم نے یہ اصول اور قانون بیان کیا اور اس کی صداقت کی شہادت میں' وہ اقوام سابقہ کی سرگزشتوں کو سامنے لایا۔ اس نے' قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود' قوم مدین' قوم لوط' قوم فرعون' غرضیکہ تمام اقوام سابقہ کی تاریخ پیش کی ہے۔ اور واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ جب ان کے معاشرہ میں ظلم عام ہو گیا تو وہ تباہ ہو گئیں۔ وہ ان کے انفرادی تذکرہ کے بعد' بہ ہیئت مجموعی کہتا ہے کہ۔

یہ اقوام گزشتہ میں سے چند ایک کی سرگزشت ہے' جسے ہم' تم سے بیان کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض آبادیاں تو ابھی تک موجود ہیں اور باقی اجڑ چکی ہیں۔

تم نے ان کے حالات سے دیکھ لیا ہو گا کہ ہم نے ان

پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی انہوں نے خود ہی اپنے اوپر زیادتی کی تھی۔ سو جب ان کے اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت آ گیا تو وہ جن غیر خداوندی قوتوں کے احکام کی اطاعت کیا کرتے تھے اور انہیں اپنا خدا سمجھے بیٹھے تھے' وہ ان کے کسی کام بھی نہ آ سکیں۔ ان کی اطاعت اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکی کہ وہ الٹا ان کی تباہی کا موجب بن جائے۔

لہٰذا' تاریخ کے ان نوشتوں میں سے تم اس محکم اصول کو یاد رکھو' کہ جب بھی کسی قوم میں ظلم عام ہو جائے تو وہ خدا کے قانون مکافات عمل کی گرفت میں آ جاتی ہے۔ اور یہ گرفت بڑی سخت اور الم انگیز ہوتی ہے۔

اقوام گزشتہ کی ان داستانوں اور قانون مکافات کے اس غیر متبدل اصول میں ہر اس قوم کے لئے واضح دلائل ہیں جو مستقبل کی تباہیوں کے احساس سے خائف رہتی ہے اور اس سے بچنا چاہتی ہے۔ (۱۰۳-۱۱/۱۰۰)

اس میں دوسروں کے لئے سامان عبرت اس لئے ہے کہ یہ محض اقوام سابقہ کے کوائف اور اخبار (Chronicles) نہیں جنہیں اساطیر الاولین (پرانے زمانے کے لوگوں کی کہانیاں) سمجھ کر پڑھ لیا جائے یہ خدا کے اس قانون کی زندہ شہادات ہیں کہ جس قوم نے بھی ظلم کی روش اختیار کی اس کا انجام یہ ہوا۔ اس لئے جو قوم بھی اس قسم کی روش اختیار کرے گی۔ اس کا انجام اسی قسم کا ہو گا۔

فان للذین ظلموا ذنوبا مثل ذنوب اصحبھم (۵۱/۵۹)

ہر زمانے کے ظالمین کا انجام وہی ہو گا جو ان سے پہلے زمانے کے ظالمین کا ہوا تھا۔

فجعلنھم احادیث (۳۴/۱۹) وہ قومیں ختم ہو جاتی ہیں اور ان کی صرف داستانیں باقی رہ جاتی ہیں۔

ومزقنھم کل ممزق۔ (۳۴/۱۹) ان کی اجتماعی حیثیت فنا ہو جاتی ہے اور ان کے افراد ادھر ادھر بکھرے ہوئے باقی رہ جاتے ہیں۔ جو اپنی مٹی ہوئی عظمت کی عبرت ناک یادگار ہوتے ہیں اور اپنے ماضی کی لاشوں کو اپنے کندھوں پر اٹھائے دربدر مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ اقوام سابقہ کی ان داستانوں کے بیان کرنے سے قرآن کا مقصد یہی ہے۔ وہ ہر داستان کے بعد ہم سے کہتا ہے کہ۔

فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین (۱۰/۳۹)

دیکھو! ظالمین کا انجام کیسا ہوا؟

وہ کہتا ہے کہ تم یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب نہ دے لینا کہ وہ قومیں کمزور تھیں۔ انہوں نے اپنے وسائل پیداوار کو ترقی دے کر' ان سے کما حقہ' فائدہ نہیں اٹھایا تھا' اس لئے وہ تباہ ہو گئیں۔ یہ خیال غلط ہے۔

وہ قومیں شان و شوکت میں تمہاری قوم مخاطب سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں انہوں نے زمین کے سینے کو چیر کر اس میں چھپے ہوئے خزانوں کو باہر نکالا۔ ملکوں کو آباد کیا۔ ان کی آبادیاں' ان کی آبادیوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ تباہ ہو گئیں۔ اس لئے نہیں کہ خدا نے انہیں یونہی ظلم و تعدی سے تباہ کر دیا۔ خدا کبھی ایسا نہیں کرتا۔ وہ تباہ اس لئے ہوئیں کہ انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کر رکھا تھا۔ (۳۰/۹)

دوسری جگہ ہے ہم نے کتنی ہی ایسی قومیں تباہ کر دیں جن کی معاشی حالت نہایت اعلیٰ تھی۔ انہیں سامان زینت کی فراوانیاں حاصل تھیں۔ یہ ہیں ان کی ویران شدہ بستیاں جن میں ان کے بعد کوئی بھی آباد نہ ہوا۔ اور ان کے وارث صرف ہم قرار پائے ------ یہ اس لئے کہ وہ قومیں ظالم تھیں اور ہم ظالم قوموں ہی کو تباہ کیا کرتے ہیں۔ (۵۹-۲۸/۵۸)

اپنے آپ پر ظلم

ہم نے اوپر (آیت ۳۰/۹ میں) دیکھا ہے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ان تباہ ہونے والی قوموں پر خدا نے ظلم و زیادتی نہیں کی تھی۔ ''انہوں نے خود اپنے آپ پر زیادتی کی تھی۔'' (ولکن انفسھم یظلمون) قرآن کریم نے

یہ اصطلاح، ظلم کے سلسلہ میں اکثر و بیشتر استعمال کی ہے اور یہ ایک عظیم حقیقت ہے جسے قرآن سادہ سے انداز میں پیش کرتا ہے۔ ظالم سمجھتا یہ ہے کہ وہ دوسرے کو نقصان پہنچا رہا ہے لیکن اگر وہ ذرا بہ نظر تعمق دیکھے تو اسے نظر آ جائے کہ وہ کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا رہا بلکہ خود اپنی ذات کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ وہ بزعم خویش دوسروں کو تباہ کرتا ہے لیکن درحقیقت اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہوتا ہے۔ بالادست جماعت یا قوم' کمزور جماعتوں یا قوموں کو کچلتی ہے اور اس میں بڑی لذت محسوس کرتی ہے لیکن اس ظلم و تعدی سے وہ درحقیقت خود اپنی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ہر تباہ ہونے والی قوم کی داستانِ حیرت و موعظت بیان کرنے کے بعد' واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ

وما ظلمنھم ولکن ظلموا انفسھم (۱۱/۱۰۰)

ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا' انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم و زیادتی کی تھی' جس کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئے۔

تباہی کہاں سے آتی ہے؟

یہ قومیں عقل و شعور کی مالک ہوتی ہیں۔ اس لئے اپنی طرف سے پورا پورا انتظام کر لیتی ہیں کہ ان پر کہیں سے تباہی نہ آنے پائے وہ سیاسی تدبر کی فسوں سازیوں سے' وہ تمام راستے بند کر لیتی ہیں جن سے وہ سمجھتی ہیں کہ ان کی تباہی کے اسباب اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ وہ ہر ممکن خطرہ کی روک تھام کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کر لیتی ہیں۔ وہ ہر سر اٹھانے والے کا سر' قبل اس کے کہ وہ سر اٹھے' کچل کر رکھ دیتی ہیں۔ وہ اپنی طرف سے اپنی حفاظت کا سارا اہتمام کر لیتی ہیں۔ وہ اپنی سیاست کے محکم قلعوں میں (بزعم خویش) مصئون و مامون ہو کر بیٹھ جاتی ہیں۔ لیکن نہیں سمجھتیں کہ ان قلعوں کی بنیاد میں خرابی کی ایک صورت مضمر ہے جو اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کئے جا رہی ہے۔ چنانچہ' ان کی ان تمام تدابیر کے علی الرغم' ان پر تباہی کا عذاب ان راستوں سے آ جاتا ہے جو ان کی عقل و شعور تک میں نہ تھے۔ (۱۶/۲۶)

تباہی کی شکلیں

یہ تباہی کن شکلوں میں آتی ہے' اس کے متعلق کہا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سوسائٹی کے اوپر کے طبقہ میں خرابیاں عام ہو جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ کبھی نیچے کے طبقہ میں لاقانونیت پھیل جاتی ہے تو وہ تباہی مچا دیتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ دونوں طبقے مخلوط پارٹیاں بنا لیتے ہیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۶/۶۵)

لیکن ظالم قوم کی تباہی کی موثر ترین صورت وہ ہے جس میں مظلوم طبقہ قوانین خداوندی کے مطابق' اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کر کے' ایک ایسا نظام قائم کر لیتا ہے جس میں ہر ظالم کو نظر آ جاتا ہے کہ اس کا صحیح مقام کون سا ہے قرآن کریم نے (سورۂ شعراء میں) ''زندگی سے شاعری کرنے والی'' جماعتوں کے مقابلہ میں' قوم مومنین کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

ان کے برعکس' وحی پر ایمان لانے والے ہیں جو ایک متعین نصب العین پر یقین رکھتے ہیں اور ایسے پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہیں جو ان کی اپنی ذات کی صلاحیتوں کی بھی نشوونما کرے' اور دنیا کے بگڑے ہوئے کام بھی سنوارے۔ وہ زندگی کے ہر گوشے میں

قوانین خداوندی کو سامنے رکھتے ہیں۔ اسے کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ جب ان پر کوئی ظلم وزیادتی کرتا ہے تو وہ شاعروں کی طرح اس کی ہجو لکھ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا نہیں کر لیتے بلکہ اس سے اس ظلم وزیادتی کا بدلہ لیتے ہیں اور ایک ایسا نظام قائم کرتے ہیں جس میں ظلم وزیادتی کرنے والے بدلگام نہ پھرتے رہیں بلکہ انہیں نظر آ جائے کہ ان کا صحیح مقام کونسا ہے جس کی طرف انہیں لوٹا کر لایا جائے گا۔ اسے انقلاب کہا جاتا ہے (۲۶/۲۲۷)

قوموں کی تباہی سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ ان کا کوئی فرد باقی نہیں رہتا۔ اس سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ان کی شان و شوکت، قوت وثروت، عزت وعظمت، حکومت وسطوت چھن جاتی ہے اور وہ دنیا میں ذلت وخواری کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ فاذلھم اللہ الخزی فی الحیوۃ الدنیا..... (۳۹/۲۶)

ان کے ظلم کا نتیجہ یہ تھا کہ انہیں اسی دنیا میں ذلت وخواری کی زندگی بسر کرنی پڑی (اور مستقبل کا عذاب اس سے کہیں زیادہ ہوگا)۔

دوسرے مقام پر کہا ہے کہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف (۱۶/۱۱۲) ان پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری ہوگیا۔ یعنی وہ اپنی روٹی تک کے لئے دوسری قوموں کے محتاج ہوگئے اور انہیں اپنی ملی ہستی کی حفاظت کے لئے ہر وقت دھڑکا لگا رہا۔ یہ ہیں قوموں کی تباہی کی علامات۔ سورہ طٰہٰ میں قرآن کریم نے اسے ایک ایسے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کے اجمال میں ہزار تفاصیل پوشیدہ ہیں۔ کہا۔ وقد خاب من حمل ظلما۔ (۲۰/۱۱۱) الخیاب اس چقماق کو کہتے ہیں جس سے آگ کی چنگاری نہ نکلے۔ یعنی ظلم کرنے والی قوموں کی کیفیت اس چقماق کی سی ہو جاتی ہے جس کی شکل وصورت تو ویسے کی ویسی ہی رہے لیکن اس میں زندگی بخش حرارت باقی نہ رہے وہ شعلہ افسردہ کی طرح ہو جائے۔ یہ ہے ہلاک شدہ قوموں کا عبرت انگیز مرقع۔

مہلت کا وقفہ

آپ نے اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا ہوگا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ ظالم پنپ نہیں سکتا لیکن ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ظالم دن رات پنپتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا ہر پروگرام کامیاب ہوتا ہے۔ وہ کھلے بندوں دندناتے پھرتے ہیں اور کوئی ان کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ افراد کا بھی یہی حال ہے اور اقوام کی بھی یہی کیفیت، جو قوم قوت فراہم کر لے، وہ دوسری قوموں کے خلاف جو جی میں آئے کرے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا، ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ مظلوم اور کمزور پستے چلے جاتے ہیں اور ظالم اور قاہر بپھرے پھرتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ یہ تمہاری نگاہ کی محدودیت ہے جو صرف چند قدموں تک دیکھ سکتی ہے، اس سے آگے نہیں جا سکتی۔ اگر تمہاری حد نگاہ وسیع ہوتی تو تم دیکھ لیتے کہ ظالم انجام کار، تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا کے قانون مکافات کی رو سے، عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس شکل میں سامنے آنے میں ایک مدت ہوتی ہے، جسے مہلت کا وقفہ کہا جاتا ہے۔ ہر عمل کا نتیجہ تو اس کے ساتھ ہی مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس شکل میں ایک مدت کے بعد جا کر سامنے آتا ہے۔ تمہاری نگاہ اس ''مہلت کے وقفہ'' میں الجھ کر رہ جاتی ہے اور تم خیال کر لیتے ہو کہ ظلم نتیجہ خیز ہو ہی نہیں رہا۔ بس یہ ہے تمہاری بھول۔ سورۂ ابراہیم میں ہے۔

تم اس کا وہم وگمان تک بھی نہ کرو کہ یہ ظالم اور سرکش لوگ جو کچھ کر رہے ہیں ہم اس سے بے خبر ہیں۔ ہمارا قانون مکافات سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ لیکن یہ وقفہ مہلت کا ہے۔ جب ظہور نتائج کا وقت آ جائے گا، اس وقت تباہیوں کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھ کر ان کی حالت یہ ہو جائے گی کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ افراتفری کا یہ عالم ہوگا کہ یہ ادھر ادھر دیکھے بغیر، منہ اٹھائے، بدحواس

بھاگے چلے جائیں گے۔ سب ان کا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ حتیٰ کہ ان کی نگاہ بھی کاشانہ چشم میں لوٹ کر نہیں آئے گی۔ ان کے دل امیدوں سے خالی ہو جائیں گے۔ یاس انگیز تاریکیاں ان پر بری طرح چھا جائیں گی۔ (۱۴/۴۲-۴۳)

دوسرے مقام پر اس قانون تدریج وامہال کی حکمت بھی بیان کر دی ہے۔ جہاں کہا ہے کہ

اگر کائنات کے ارتقاء میں تدریجی قانون کارفرمانہ ہوتا' اور خدا کا قانون مکافات لوگوں کے ظلم وزیادتی پر ان کی فوری گرفت کر لیا کرتا' تو صفحہ ارض پر کوئی چلنے والا (انسان) نظر نہ آتا۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتا' بلکہ انہیں مقررہ تاریخی منازل تک پہنچانے کے لئے ان کے انجام کو موخر کرتا جاتا ہے اور جب وہ اپنے مستقر تک پہنچ جاتے ہیں تو اس کے بعد نہ ایک ثانیہ کی دیر ہوتی ہے' نہ سویر۔ ان کے اعمال کا آخری فیصلہ کن نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔ (۱۶/۶۱)

اسی کو قرآن نے ''پلڑا جھکنے'' (ثقلت موازینہ) سے تعبیر کیا ہے۔ قوموں کو سرفرازی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب ان کے تعمیری کاموں کا پلڑا جھکا ہوتا ہے۔ اس کے بعد' ان کی تخریبی کارفرمائیاں شروع ہو جاتی ہیں تو تعمیری پلڑا آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس دوران میں اگر وہ اپنی اصلاح کر لیں اور تعمیری کاموں کے وزن میں اضافہ کر لیں تو وہ تباہی سے بچ جاتی ہیں (مہلت کے وقفہ سے دراصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہلاکت سے پہلے' باز آفرینی کا موقعہ بہم پہنچایا جائے) لیکن اگر وہ اپنی روش سے باز نہیں آتیں' تو تخریبی پلڑا بھاری ہوتا چلا جاتا ہے اور جب وہ تعمیری پلڑے کے مقابلہ میں زیادہ جھک جاتا ہے' تو قوم پر تباہی آجاتی ہے اس وقت بازیابی کا موقعہ باقی نہیں رہتا۔ تباہی کے اس طرح محسوس شکل میں سامنے آنے سے' انہیں خدا کے قانون مکافات کی صداقت کا یقین آجاتا ہے لیکن اس وقت یہ احساس و یقین انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ دیکھئے سورۂ مومن میں اس حقیقت کو کس قدر واشگاف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

اگر یہ لوگ اس امر کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں کہ ظلم و تعدی سے قومیں کس طرح تباہ ہوا کرتی ہیں' تو ان سے کہو کہ ذرا دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو قومیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں' ان کا انجام کیا ہوا۔ وہ تعداد میں بھی ان سے زیادہ تھے اور قوت میں بھی ان سے بڑھ چڑھ کر' انہوں نے زمین سے پیدا ہونے والے سامان زیست پر بھی ان سے کہیں زیادہ تصرف حاصل کر رکھا تھا۔ لیکن ان کا مال و دولت اور ان کی ہنرمندی و کاری گری۔ انہیں ان کے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے بالکل نہ بچا سکے۔ وہ سب دھرے کا دھرا رہ گیا۔

جب ان کے رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی' اور اپنے علم و ہنر پر نازاں رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس تباہی کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے' اس نے انہیں آدبوچا۔ جب انہوں نے اس تباہی کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو چلا اٹھے اور کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لاتے ہیں اور جن قوتوں کو ہم اس کے شریک سمجھتے تھے' ان سے انکار کرتے ہیں۔

لیکن اس ایمان نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ جسے وہ عذاب کو دیکھ کر لائے تھے۔ ایمان وہی نفع بخش ثابت ہو سکتا ہے جو ظہور نتائج سے پہلے لایا جائے کیونکہ اس صورت میں ہنوز وقت ہوتا ہے کہ انسان' تعمیری کاموں سے' سابقہ تخریبی اعمال کے مضر اثرات کا ازالہ کر سکے۔ (۴۰/۸۲-۸۵)

اور اس کے بعد ہے:

سنت اللہ التی قد خلت فی عبادہ (۴۰/۸۵)

یہ خدا کا وہ قانون ہے جو انسانوں پر شروع سے نافذ

ہوتا چلا آ رہا ہے۔

اس وقت نہ تو ان کا ایمان کچھ کام دے سکے گا اور نہ ہی ان کا چیخنا چلانا کچھ کفایت کر سکے گا۔ یہ مدد کے لئے چیخیں چلائیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ایک بار یہاں سے نکال دے، پھر دیکھ کہ ہم کس طرح اپنی سابقہ روش کے خلاف، تیرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اچھے کام کرتے ہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ کیا تمہیں اتنی عمر نہیں دی گئی تھی کہ تم میں سے جو ہمارے قانون کے مطابق نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ اس کے لئے کافی ہو جاتی؟ اور پھر تمہارے پاس وہ پیغامبر بھی آ گیا تھا جو تم سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ تمہاری روش تمہیں تباہی کے جہنم کی طرف لے جائے گی۔ لیکن تم نے اس کی ایک نہ مانی۔ سو اب تم اپنے اعمال کے نتائج بھگتو۔ اب کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا، اس لئے کہ ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔ (۳۵/۳۷)

کارگہِ کائنات کیوں سرگرمِ عمل ہے؟

ہمارے سامنے لوگوں کے غلط اعمال کی سزا کے لئے دنیا کا عدالتی نظام ہی ہوتا ہے جو ناقص بھی ہو سکتا ہے اور خائن (بددیانت) بھی۔ یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ ظلم کرنے والے دندناتے پھرتے اور دن بدن پھولتے پھلتے چلے جاتے ہیں، اور انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا ہی نہیں، تو یہ دنیاوی نظام عدل کا نقص نہیں ہوتا۔ اس کا ایک اپنا نظام ہے جو نہ ناقص ہو سکتا ہے نہ خائن۔ اس کی نتیجہ خیزی اٹل ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ تمام سلسلہ کائنات اسی نظام عدل کو قائم رکھنے کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔

وخلق اللہ السموات والارض بالحق۔ ولتجزی کل نفس بما کسبت وھم لا یظلمون۔ (۴۵/۲۲)

تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملتا رہے اور کسی پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی نہ ہو (نیز ۱۹/۴۶، ۱۹/۶۰، ۴/۱۲۴)

''کسی پر کسی قسم کا ظلم و زیادتی نہ ہو'' ۔۔ یہ ہے مقصد تخلیق کائنات ۔۔ اسی کا نام خدا کا قانون مکافاتِ عمل ہے، جسے عوام کی زبان میں ''خدا کی چکی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ چکی پیستی تو بے شک بہت باریک ہے لیکن اس کی رفتار (ہمارے حساب و شمار کے مطابق) بہت سست ہوتی ہے اور مظلوم کی یہ انتہائی آرزو ہوتی ہے کہ وہ ظالم کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

یہ تجھ سے کہتے ہیں کہ وہ تباہی جلد آنی چاہئے ۔۔ وہ تباہی ضرور آئے گی۔ خدا کا قانون اٹل ہے لیکن اس کی رفتار بڑی سست ہے۔ خدا کا ایک دن، تمہارے حساب و شمار سے ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے (۲۲/۲۷)

اب اس کا کیا کیا جائے؟ مظلوم کے دل کی پکار رہ رہ کر کہتی ہے کہ

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یہ ہے ''بیتابی تمنا اور صبر طلبی عشق کی وہ کشمکش'' جس کے حل کے لئے قرآن چاہتا ہے کہ دنیا میں خود انسانوں کے ہاتھوں ایک ایسا نظام قائم ہو جو لوگوں کے اعمال کی نتیجہ براری میں تو، نظام کائنات کے مماثل ہو، لیکن اس کی رفتار اتنی سست نہ ہو۔ اس کا نام دین کا نظام، یا اسلامی مملکت ہے جس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ ۔۔ لتجزی کل نفس بما کسبت۔ وھم لا یظلمون۔ ہر متنفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ مل جائے، اور کسی پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی نہ ہو، اس نظام کو سب سے پہلے حضور نبی اکرمؐ نے متشکل کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ خدا کا وہی دن، جو نظام کائنات میں ایک ایک ہزار سال کا ہوتا ہے، اس نظام میں کس طرح چوبیس گھنٹے کا بن جاتا ہے یہ وہ نظام ہے جو دنیا کے کسی جابر اور ظالم سے کسی قسم کی مفاہمت نہیں کر سکتا۔ اس نظام کے داعیؐ کو آگاہ کر دیا گیا کہ

یاد رکھو:

یہ لوگ چاہیں گے کہ اگر تم تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاؤ تو یہ تمہاری طرف جھک جائیں۔ دیکھنا' ایسا نہ کرنا۔ (۶۸/۹)

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ (۱۱۳/۱۱)۔ اگر تم ذرا بھی ان کی طرف جھک گئے اور اس طرح ان سے مفاہمت کر لی' تو یاد رکھو تم بھی اسی جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ جس میں یہ لوگ ماخوذ ہیں۔۔ تمہارا نظام' عدل پر مبنی ہے اور عدل اگر ذرا سا بھی ظلم کی طرف مائل ہو جائے تو وہ عدل نہیں رہتا' ظلم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے مفاہمت کی کوشش کی' تو اس نظام کے داعی برحقؐ نے ان سے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ میں قوانین خداوندی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ میں تو خود انہی کا اتباع کرتا ہوں۔

انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (۱۰/۱۶)

اگر میں بھی قانون خداوندی کی خلاف ورزی کروں تو مجھے اس کے نتیجے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ میں بھی اسی عذاب کی لپیٹ میں آ جاؤں گا۔

یہ تھا وہ نظام' جس کے متعلق اعلان کر دیا کہ یاد رکھو:

اس میں کوئی شخص کسی کے جرم کا ذرا سا بھی بوجھ نہیں بٹا سکے گا۔ ہر ایک کو اپنے کئے کی سزا خود بھگتنی پڑے گی۔ نہ ہی کسی کی شفاعت کسی کے کام آئے گی' نہ ہی کسی سے اس کے جرم کے معاوضہ میں کچھ رشوت لے کر اسے چھوڑ دیا جائے گا' نہ ہی کوئی شخص کسی مجرم کا حمائتی بن سکے گا۔ (۲/۴۸)

دنیا کے نظام عدل کی رو سے' اگر کسی مقدمہ کا فیصلہ مروجہ قانون کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہو جائے' تو عدل کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے لیکن قرآن کریم اس سے بھی ایک قدم آگے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ قانون کے مطابق فیصلہ عدل کہلائے گا۔ لیکن اگر خود وہ قانون ہی ظلم اور ناانصافی پر مبنی ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کس طرح مبنی بر عدل قرار پا سکتا ہے؟ لہٰذا' وہ اس نظام کے متعلق جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کہتا ہے کہ اس میں قانون سازی کا اختیار انسانوں کو حاصل ہی نہیں ہوتا۔ اصولی طور پر قوانین' خدا کے نازل کردہ ہوتے ہیں اور وہ نظام ان کے مطابق فیصلے کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

یھدون بالحق و بہ یعدلون۔ (۷/۱۵۹)

یہ لوگ دوسروں کو حق کی راہ بتاتے ہیں اور اسی کے مطابق عدل کرتے ہیں۔

یہی وہ حقیقت ہے' جسے شروع میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے وہ لوگ ظالم ہیں جو ''ما انزل اللہ'' کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ (۵/۴۵)

باز بخویش نگر

ظلم کی مختلف نوعیتیں' جنہیں قرآن کریم نے اس شرح و بسط سے بیان کیا ہے' ہمارے سامنے آ گئیں۔ آپ انہیں دیکھئے اور سوچئے کہ ان میں سے کوئی شق بھی ایسی ہے آج باقی دنیا کو تو چھوڑیئے خود ہمارے معاشرے میں نہ پائی جاتی ہو؟ آپ دیکھیں گے کہ ظلم کی ان شقوں کا ہمارے ہاں پایا جانا تو ایک طرف' یہ ہمارے معاشرہ کا معمول بن چکی ہیں اور اس قدر عام ہو چکی ہیں کہ ان سے اب ہمارے دل میں کھٹک تک پیدا نہیں ہوتی۔۔ اگر کھٹک پیدا ہوتی ہے تو صرف اس وقت جب کوئی دوسرا ہم پر زیادتی کرے۔

اس کے بعد' آپ پھر وہیں چلے چلئے جہاں سے بات شروع کی گئی تھی۔ یعنی ایک ذہنیت یہ ہے کہ یہ کہنا کہ ظالم پنپ نہیں سکتا۔۔ ظلم کا انجام تباہی ہوتا ہے' کمزوروں اور ناتوانوں کی خود فریبی ہے جو فرد یا قوم' قوت حاصل کر کے اپنی مدافعت کا سامان مہیا کر لیتی ہے' اسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دنیا کا یہی چلن رہا ہے' یہی چلن رہے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسے معاشرہ میں سارا زور اپنی قوت اور مدافعت کا سامان مہیا کرنے پر دیا جائے گا۔ ظلم و جور سے رکنے کا خیال کبھی پیدا نہیں

ہوگا۔

دوسری ذہنیت یہ ہے کہ خدا کا یہ اٹل قانون ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا اور جس معاشرہ میں ظلم کا چلن عام ہو، وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ خواہ اس نے اپنی حفاظت اور مدافعت کے کتنے ہی انتظامات کیوں نہ کر رکھے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسے معاشرہ میں، ساری کوشش ظلم سے رکنے کی، کی جائے گی۔

اول الذکر ذہنیت کا نام خدا سے انکار (کفر) ہے اور دوسری کو خدا پر ایمان (اسلام) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ ہمارا شمار کس زمرے میں ہوسکتا ہے؟ اس کے ساتھ ہی اسے بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے، کہ قانون خداوندی کے اٹل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اگر آپ اس پر ایمان رکھتے ہیں تو وہ اپنا نتیجہ پیدا کرے گا اور اگر آپ اسے صحیح تسلیم نہیں کرتے تو وہ معطل ہو جائے گا۔ قطعاً نہیں۔ وہ قانون بہر حال اور بہر حیثیت اپنا نتیجہ پیدا کر کے رہے گا۔ خواہ آپ اسے صحیح مانیں یا نہ مانیں۔ سنکھیا بہر حال مہلک ہے، خواہ آپ اس کی ہلاکت آفرینی کو صحیح تسلیم کریں یا جھوٹ سمجھیں۔۔ اور سنکھیا اس شخص کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے گا جو زبان سے اس کی ہلاکت آفرینی کا اقرار کرے لیکن پھر بھی اسے پھانک لے، جس طرح اس شخص کو ہلاک کر دے گا جو اس کی ہلاکت آفرینی کا کھلے بندوں انکار کرتا ہوا اسے چاٹ لے لہٰذا اگر خدا کا یہ قانون اٹل ہے۔۔ اور اس کے اٹل ہونے میں شبہ ہی کیا ہے۔۔ (کہ جس قوم میں ظلم عام ہو جائے وہ تباہ ہو جاتی ہے۔) اور ہماری روش یہی رہی، تو ''پاکستان زندہ باد کے ہزار نعروں'' اور ''ملت اسلامیہ پائندہ باد'' کی لاکھ تمناؤں کے باوجود، ہم تباہی سے بچ نہیں سکتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بیرونی خطرات سے ملک کی حفاظت کا انتظام نہایت ضروری ہے، اور ایسا انتظام ضرور کرنا چاہئے اور ملک کے ہر باشندے کو اس میں پورا پورا حصہ لینا چاہئے (کہ اپنی سرحدوں کو مضبوط و مستحکم رکھنے کا حکم بھی خداوندی ہے) اس میں بھی کلام نہیں کہ ملک کی خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے مادی ترقی بھی نہایت ضروری ہے (کہ بھوک کو خداوند کریم نے خدا کا عذاب قرار دیا ہے) لیکن، ان تمام انتظامات و اہتمامات کے باوجود، ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اگر ہم نے اپنے معاشرہ میں ظلم کی بڑھتی ہوئی رو کو نہ روکا، تو یہ انتظامات و اہتمامات ہمیں تباہی سے کبھی نہیں بچا سکیں گے، نہ ہی ہماری مروجہ نمازیں اور ہمارے روزے، ہمارا حج اور ہماری زکوٰۃ، ہماری نذریں اور ہماری نیازیں، ہمارے وعظ اور ہمارے خطبے، ہمیں اس تباہی سے محفوظ رکھ سکیں گے، کہ خدا نے یہ کہیں نہیں کہا کہ ظالم قوم کی رسمی مذہب پرستی اسے ظلم کی آوردہ تباہی سے بچا لے گی۔

جب ہم ظلم کا لفظ زبان پر لاتے ہیں تو ہماری نگاہیں ہمیشہ اعمال حکومت اور ارباب نظم و نسق کی طرف اٹھ جاتی ہیں اور ہم یہ کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہیں کہ ظلم ان کی طرف سے ہوتا ہے ہم اس کے مجرم نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ظلم عام طور پر اپنی شدید اور محسوس شکل میں غلط نظام حکومت اور ارباب اقتدار کی غلط کوشیوں اور غلط کاریوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے ظلم کی جن نوعیتوں کا ذکر کیا ہے، انہیں ایک مرتبہ پھر سامنے لائیے اور دیکھئے کہ ان میں سے کتنی شقیں ایسی ہیں جن کے مرتکب ہم خود ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس معاشرہ میں قرآنی تصور کے مطابق ظلم کا دور دورہ ہو۔ اس میں ظلم کسی خاص طبقہ تک محدود نہیں ہوتا۔ اس کے جراثیم سارے جسد معاشرہ میں حلول کئے ہوتے ہیں۔

لیکن اگر یہ تصور بھی کر لیا جائے کہ ظلم کسی خاص طبقے کی طرف سے ہوتا ہے، ہم اس کے مرتکب نہیں ہیں۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ظلم کی وجہ سے جب معاشرہ پر تباہی آئے گی تو وہ چن چن کر ان افراد کو گھیر لے گی۔ جو ظلم کے مرتکب ہوئے تھے اور ہمیں چھوڑتی جائے گی۔ قطعاً نہیں۔ جب قوموں پر تباہی آتی ہے تو پھر۔۔ نہ کہ را منزلت باشد نہ مہرا۔۔۔ اس سے ساری کی ساری قوم تباہ ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے کہا ہے کہ

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا

منکم خاصة (۸/۲۵)

اس تباہی سے اپنے آپ کو بچانے کی (قبل از وقت) تدبیر کرلو کہ جب وہ آتی ہے تو پھر انہی لوگوں تک محدود نہیں رہا کرتی جنہوں نے ظلم کیا تھا۔

جب کسی ناعاقبت اندیش کے کشتی میں چھید کر دینے سے کشتی میں پانی بھر جاتا ہے تو اس سے صرف وہی شخص نہیں ڈوبا کرتا جس نے کشتی میں چھید کیا تھا۔ کشتی کے تمام مسافر ڈوب جایا کرتے ہیں۔

وہ ہے خدا کا قانون' اور یہ ہے (باقی دنیا کے ساتھ) ہمارے معاشرہ کی موجودہ حالت۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ابھی اس مہلت کے وقفہ سے گزر رہے ہیں جو تباہی سے پہلے آتا ہے اگر ہم اب بھی سنبھل جائیں تو ہمارے بچاؤ کیصورت ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر ہم نے اس وقفہ سے فائدہ نہ اٹھایا اور اسی رفتار سے آگے بڑھتے گئے' تو پھر خدا کا اٹل قانون اپنا نتیجہ مرتب کر کے رہے گا اور ہمارا حشر بھی انہیں قوموں جیسا ہو جائے گا۔ جن کے متعلق کہا ہے کہ:

واورثنها قوما اخرین

وہ قوم تباہ ہوگئی اور ہم نے کسی دوسری قوم کو اس کا وارث بنادیا۔

فما بکت علیهم السماء والارض

پھر ان کی تباہی پر نہ آسمان نے آنسو بہائے نہ زمین کی آنکھ نم آلود ہوئی۔

وما کانوا منظرین (۲۹-۲۸/۴۴)

اور نہ ہی انہیں اس کی مہلت دی گئی' کہ اپنے بچاؤ کا سامان کرسکیں۔

لہٰذا۔۔۔

''حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں''

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ھاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

۲۵ سالہ تجربہ کار

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ھیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۲۱۰۴۵-۲۴۲۷۵۳۷

فیکس نمبر:۔

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

د ن و

دَنَا۔ یَدْنُوْ۔ دُنُوّاً۔ دَنَاوَۃٌ ۔قریب ہونا۔ **اَلدُّنْیَا** ۔ نزدیک ترین چیز (یہ مونث ہے۔اس کا مذکر **اَدْنیٰ** ہے)۔ **دَنِیَ۔ یَدْنیٰ** کے معنی ہیں کمزور اور ضعیف ہونا۔ **اَدْنَی الرَّجُلُ اِدْنَاءً** ۔ اس شخص نے تنگی اور عسرت کی زندگی بسر کی۔ **اَدْنَی الشَّیْءَ** کسی چیز کو قریب کیا۔ **ادنت ثوبھا علیھا** ۔ اس نے اپنا کپڑا اپنے اوپر ڈال لیا (لین بحوالہ مغنی اللبیب)۔اسی سے ہے **یدنین علیھن من جلابیبھن** (۵۹/۳۳) ''وہ اپنی چادریں (جلباب) اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔''

الادنی کے معنی ہیں زیادہ قریب، لیکن کبھی اس سے مراد **اصغر** ہوتا ہے۔ایسی صورت میں اس کے مقابلہ میں **اکبر** آتا ہے۔کبھی اس سے مراد **ارذل** ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ میں **خیر** آتا ہے۔جب اس سے مراد **اول** ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ میں **آخر** آتا ہے۔جب اس سے مراد **اقرب** ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ میں **اقصی** آتا ہے (تاج وراغب)۔

قرآن کریم میں ہے **فی ادنی الارض** (۳/۳۰)۔یعنی قریب کی سرزمین۔سورۃ النجم میں ہے **ثم دنا...... او ادنی** (۹-۸/۵۳)۔اس کے معنی ہیں پھر وہ قریب ہوا...... یا قریب تر۔سورۃ الرحمٰن میں **دان** (۵۴/۵۵) بمعنی قریب آیا ہے۔سورۃ الحاقہ میں ہے۔ **قطوفھا دانیۃ** (۲۳/۶۹) اس کے معنی بھی قریب ہیں۔ **السماء الدنیا** (۶/۳۷ و ۵/۶۷) کے معنی ہیں قریب ترین آسمان۔(دیکھئے عنوان س۔م۔و کے تحت سماء)

الدنیا (قریب تر) بمقابلہ **القصوی** (بعید تر) (۴۲/۸) میں آیا ہے۔ **اکبر** کے مقابلہ میں یہ لفظ (۲۱/۳۲) میں آیا ہے اور **اکثر** کے مقابلہ میں (۵۸/۷) میں۔ **خیر** کے مقابلہ میں (۶۱/۲) میں۔

قرآن کریم میں **الحیواۃ الدنیا** ۔ بمقابلہ **آخرۃ** ۔ اکثر مقامات پر آیا ہے۔اور یہی وہ تقابل ہے جو زیادہ غور طلب ہے۔اس لئے کہ اس تقابل میں **الحیواۃ الدنیا** کو آخرت کے مقابلہ میں کم قیمت قرار دیا گیا ہے۔

عام مذاہب عالم میں، جہاں روح اور مادہ کی ثنویت (Duality) کا عقیدہ رائج ہے، دنیا اور اسکی متاع کو بڑا ذلیل اور حقیر قرار دیا گیا ہے۔ہندو دھرم کی رو سے دنیا ہے ہی مایا یعنی فریب اور اس فریب سے چھوٹ جانے کا نام نجات یا مکتی ہے۔بدھ مت میں دنیا کے متعلق ہر آرزو ایک تکلیف کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔اس لئے اصل حیات ترک آرزو کا نام ہے۔یہی عقیدہ عیسائیت میں ہے جہاں نیکو کاروں کی بادشاہت آسمان میں ہے۔چنانچہ ان کے ہاں ترک دنیا سب سے بڑی ولایت ہے۔یہی عقیدہ تصوف کی اصل ہے اور اس سے متاثر ہو کر خود ہمارے (مسلمانوں کے) ہاں بھی دنیا کو بڑا حقیر اور قابل نفرت سمجھا جاتا ہے۔چنانچہ ''دنیا دار'' اور ''گنہگار'' قریب قریب مرادف المعنی الفاظ ہو چکے ہیں۔اس کے برعکس، دین اور دنیا ایک دوسرے کے مقابلے میں بولے جاتے ہیں۔لیکن یہ تصور قرآنی تعلیم کے خلاف ہے وہ مومن کو (آخرت کے علاوہ) **فی ھذہ الدنیا حسنۃ** (۷/۱۵۶) کی دعا سکھاتا ہے اور واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ **للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ** (۱۶/۳۰) حسن عمل کا نتیجہ (آخرت کے علاوہ) اس دنیا کی خوشگواریاں ہیں۔اس کے مقابلہ میں وہ **ذلۃ فی الحیوۃ الدنیا** (۷/۱۵۲)۔''دنیا میں ذلت و خواری'' کو خدا کا غضب اور اس کی لعنت قرار دیتا ہے۔اس قسم کی آیات متعدد مقامات پر آئی ہیں۔لہٰذا قرآن کریم کی رو سے یہ تصور باطل ہے کہ دنیا قابل نفرت ہے اور اس کی آسائشیں اور آرائشیں گناہ کی آلودگیاں!

لیکن قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جن میں متاع دنیا کو قلیل اور اس کی زندگی کو لہو و لعب قرار دیا گیا ہے۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے (ا۔خ۔ر) اور (ع۔ج۔ل) کے عنوانات دیکھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ **مفاد عاجلہ** اور **متاع آخرہ** سے قرآن کریم کا مطلب کیا ہے۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم ان لوگوں کی سخت مخالفت کرتا ہے جو اپنی نگاہوں کو **مفاد عاجلہ** (فوری حاصل ہو جانے والے مفاد) پر مرکوز رکھتے ہیں اور مستقبل کی خوشگواریوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسی **مفاد عاجلہ** کو وہ **متاع الدنیا** قریبی مفاد، یا پیش پا افتادہ مفاد کہہ کر پکارتا ہے اور ان لوگوں کو سخت مطعون کرتا ہے جو ان پیش پا افتادہ مفادات کی خاطر مستقبل کی خوشگواریوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ لہٰذا جو چیز قرآن کریم کی رو سے مذموم ہے وہ یہ ہے کہ انسان قریبی مفاد (Immediate Gain) کی خاطر مستقبل (Future) کی تابناکی کو نظر انداز کر دے۔ یعنی وہ زندگی اسی طبعی زندگی ہی کو سمجھ لے۔ اور یہ بھی مذموم ہے کہ انسان دنیا کو ترک کر کے صرف ''عاقبت سنوارنے'' کے خیال میں لگ جائے (اسے رہبانیت کہتے ہیں جسے قرآن کریم جائز قرار نہیں دیتا۔ دیکھئے عنوان ر۔ھ۔ب)۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ** (۲/۲۰۱)۔ اس دنیا میں بھی خوشگواریاں اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی خوشگواریاں۔ حال بھی درخشندہ اور مستقبل بھی تابناک۔ قریبی مفاد بھی اور مستقبل کے مفاد بھی۔

اس نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جس کا حال درخشندہ نہیں وہ سمجھ لے کہ اس کا مستقبل بھی تاریک ہی ہے۔ **ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی و اضل سبیلا** (۱۷/۷۲)۔ ''جو یہاں کا اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ گیا گزرا''۔ (**اعمی** کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ع۔م۔ی)۔

لہٰذا۔

(۱) یہ تصور بھی غلط ہے کہ دنیا کی خوشگواریاں قابل نفرت ہیں۔

(۲) اور یہ بھی غلط ہے کہ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی ہے لہٰذا مفاد صرف اسی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد ہیں۔

(۳) صحیح تصور یہ ہے کہ اس دنیا کے مفاد بھی حاصل ہوں اور انسانی ذات اپنی صلاحیتوں کی نشوونما سے اس قابل ہو جائے کہ وہ اس کے بعد کی زندگی کی خوشگواریاں بھی حاصل کرے۔ نیز اس دنیا میں نگاہ صرف اپنے ذاتی مفاد پر نہ رہے بلکہ تمام نوع انسانی اور آنے والی نسلوں کی خوشحالی پر بھی نگاہ رہے۔ یہ مستقبل اس دنیا میں ہوگا اور دوسرا مستقبل اس کے بعد کی زندگی میں (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ا۔خ۔ر)۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا ماحصل یہ ہے کہ وہ انسان کو اقدار (Values) متعین کر کے دیتا ہے۔ وہ ہر شے کے متعلق بتاتا ہے کہ انسانیت کی میزان میں اس کی قدر و قیمت کیا ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ عقل اور ایمان کی رو سے صحیح مسلک زندگی یہ ہے کہ انسان، بلند قدر و قیمت کی شے کے لئے کم قدر و قیمت کی شئے کو قربان کر دے۔ وہ بتاتا ہے کہ دنیاوی سامان زندگی اور اسکی خوشنمائیاں اپنی قدر رکھتی ہیں۔ انہیں ضروری حاصل کرنا اور سنبھال کر رکھنا چاہئے۔ لیکن جب کبھی ایسا ہو کہ دنیاوی زندگی (یعنی انسان کی طبعی زندگی۔ Physical Life) کے کسی تقاضے میں اور انسانی زندگی (انسانی ذات) کے کسی تقاضے میں تصادم واقع ہو جائے (ان میں (Tie) پڑ جائے) تو اس وقت، انسانی ذات کے بلند تقاضہ کی خاطر طبعی زندگی کے کمتر درجہ کے تقاضہ کو قربان کر دینا چاہئے۔ یہ ہیں وہ مقامات جہاں قران کریم نے (طبعی زندگی اور انسانی ذات کا مقابلہ کرتے ہوئے) دنیاوی زندگی اور اس کے ساز و سامان کو کم قیمت بتایا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیاوی زندگی قابل نفرت ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب طبعی زندگی اور انسانی زندگی (جسے مرنے کے بعد بھی قائم رہنا ہے) کا مقابلہ ہو تو پھر طبعی زندگی کی قیمت، انسانی زندگی کے مقابلہ میں کمتر سمجھنی چاہئے۔ یہ ہے قرآن کریم کی صحیح تعلیم ''دنیا اور آخرت'' کے متعلق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمت اللہ طارق، ملتان

عائشہؓ کے قرآنی فیصلے

عرب میں ذہانت و فطانت، جودت فکر اور اصابتِ رائے پر فائز انسانوں میں جو مقام حضرت عائشہؓ صدیقہ (۶۷۸م) کو حاصل تھا وہ کسی دوسری خاتون کو حاصل نہ تھا نہ ہوگا۔ آپؓ حسن و جمال میں یکتا اور ضرب المثل تھیں حمیرا (پنکی) سے شہرت پائی تھی۔ ادبیات عرب اور اصناف سخن پر آپ کو پوری دسترس حاصل تھی۔ آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ۔ افقہ نساء المسلمین واعلمھن بالدین۔ مسلم خواتین میں سب سے زیادہ زیرک، فقیہ اور علمِ دین کا سب سے زیادہ فہم و بصیرت رکھتی تھیں۔ وما کان یحدث لھا امر الا انشدت فیہ شعرا۔ جب کوئی سا موضوع چھڑتا تو اس کی مناسبت سے شعر کہہ ڈالتیں اس طرح آپ کو ہزاروں اشعار ازبر رہتے تھے۔ (ابن سعد طبع بیروت جلد ۸/ ۳۹۔ اعلام النساء ۲/ ۷۲۰۔ حلیۃ الاولیا طبع مصر ۲/ ۴۳)۔

آپ ہمیشہ قرآن کی گہرائیوں پر نظر رکھتیں اور ادق سے ادق مسائل کا استخراج قرآن ہی سے کرتیں اور فرماتی تھیں کہ قرآن ہی گنجینہ ہدایت ہے اور اسکی چابی عقل ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے عقیدے اور سوچ کی بنیاد قرآن پر رکھی تھی اور حضرت فاروق اعظمؓ کی طرح حسبنا کتاب اللہ یعنی معاملات طے کرنے کے لئے صرف قرآن کے حوالہ پر اکتفا کرتی تھیں۔ ایک بار کسی مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو فرمایا حسبکم القرآن ہمیں اور تمہیں قرآن کافی ہے۔ آیئے اسی سے دریافت کریں۔ مسئلہ یہ تھا کہ ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ۔ میت کے اہلخانہ جب میت پر روتے ہیں تو اسے اذیت یا عذاب ملتا ہے (بخاری و مسلم)۔۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا حسبکم القرآن ہمیں اور تمہیں قرآن کافی ہے جس میں ہے کہ۔ لاتزر وازرۃ وزر اخری۔ کوئی انسان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ (انعام، ۱۶۴)۔

حضرت عائشہؓ کی مجتہدانہ اور قرآنی بصیرت کے ضمن میں علامہ بدرالدین زرکشی (۱۳۹۲م) نے الاجابتہ لایراد ما استدرکتہ علی أشتہ علی الصحابۃ ۔۔ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں سے کچھ عرض کر رہا ہوں تا کہ ان کی فکر رسا کا صحیح ادراک ہو سکے۔ میں نے اتنے لمبے نام کی بجائے صرف۔ ''استدراکات'' کا حوالہ دینا ہے، ذہن میں رکھئے۔

بات ہو رہی تھی کہ سیدہ عائشہؓ نے میت پر رونے سے عذاب کی نفی کی اور انعام (۱۶۴) کے حوالہ سے اس عقیدے کو مسترد کر دیا تھا۔ اس پر علامہ زرکشی تبصرے کے بطور فرماتے ہیں کہ۔۔ واعلم ان تعذیب المیت ببکاء اھلہ علیہ رواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ من الصحابۃ منھم عمر۔۔ وابن عمر۔ وانکرمۃ علیھما عائشتہ۔ وحدیثھا موافق لظاھر القرآن وھو قولہ۔ لا تزروازرۃ وزر اخری۔

واضح رہے کہ لواحقین کے رونے پر میت کو عذاب

ہونے والی روایت صحابہؓ نے باقاعدہ نبی اکرمؐ سے سنی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ اور عمر بن الخطابؓ نیز اس کے راویوں میں سے ہیں۔ باایں ہمہ صدیقہؓ نے دونوں کی روایت کو مسترد کرتے ہوئے قرآن کے حوالہ سے اپنا فیصلہ سنا دیا جو ہر زاویہ سے ظاہر ہے قرآن کے موافق ہے۔ (استدراکات ص ۵۱/ تا ۷)

یعنی فرمایا رونا اگر جرم ہے تو یہ جرم رونے والوں سے سرزد ہوا ہے مرنے والے بے روح کو سزا کیسی؟

سر پر مسح کرنا

سر پر اگر کوئی چیز حائل ہو تو وضو میں مسح کرنا کیسا ہے؟ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے جائز کہتے تھے۔ ابی بن کعب نے جب حضرت عائشہؓ سے رجوع کیا تو آپ نے فرمایا علیؓ سے کہدو عائشہؓ تمہیں قسم دے کر کہتی ہیں کہ کیا سورۂ مائدہ (۷) کے نزول کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ پر مسح کیا ہے؟ چنانچہ ابی نے جب علیؓ سے دریافت کیا تو آپ نے عائشہؓ کی بات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ (استدراکات ص ۴۰)

علیؓ کی جانشینی

امام الحافظ ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم النبیل نے اپنی کتاب ''الوصایا'' میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے سامنے جب کسی نے کہا کہ علیؓ وصی رسول ہیں تو آپ نے فرمایا کہ۔ اس کا سب سے زیادہ علم مجھے ہونا چاہئے کہ آپؐ نے حالت غیر ہونے پر میری ہی گود میں سر رکھا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس طرح میرے سوا دوسرا کون تھا جس نے اس وصیت کو سنا؟ (استدراکات ص ۴۰ نیز ص ۸۹ بحوالہ مسلم)

اللہ۔ کا دیدار

ترمذی اور دیگر بہت سے محدثین نے متعدد صحابہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ ہی نہیں اللہ کو دو مرتبہ دیکھا ہے لیکن جب مسروق نے حضرت عائشہؓ سے رجوع کیا تو آپ نے فرمایا لا تدرکہ الا بصار و ھو یدرک الابصار۔ اسے کوئی نظر نہیں پا سکتی وہ ہر صورت کا احاطہ کر لیتا ہے (انعام ۱۰۳)۔ یعنی جب اس کی شکل ہی نہیں تو صورت گری کیسی؟ سائل نے سوال کیا کہ ولقد راہ بالافق المبین (تکویر ۲۳) تو بی بی صاحبہؓ نے فرمایا۔۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا انما ھو جبرئیل ..... یہ دونوں مرتبہ میں نے جبرئیل ہی کو اصل شکل میں دیکھا تھا (اللہ کا دیدار نہیں کیا تھا۔ استدراکات ص ۴۶)۔

مہینہ انتیس دن کا؟

صحابہؓ میں سے بعض کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ان الشھر تسع و عشرین۔ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ اس پر صدیقہؓ نے فرمایا غلط ہے آپؐ نے فرمایا تھا ان الشھر قد یکون تسعا و عشرین مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے (استدراکات ص ۵۵۔ اس طرح صحابہؓ نے آپ کی تصحیح کو تسلیم کر لیا)۔

مردوں سے باتیں کرنا

معرکہ بدر کے بعد ایک گڑھے میں کفار کی اجتماعی لاشیں پڑی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گذر ہوا اور فرمایا۔ ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ اللہ نے تمہاری ذلت اور حرام موت مرنے کا جو وعدہ کیا تھا۔ تم نے کیسا پایا؟۔۔۔ حضرت عائشہ نے جب یہ واقعہ سنا تو کہا۔۔ وما انت بمسمع من فی القبور۔۔ جو قبروں میں پڑے ہیں یعنی مر چکے ہیں انہیں تم کچھ بھی نہیں سنا سکتے (فاطر ۲۲) استدراکات ص ۵۶)۔

یہاں اہل حدیثوں اور دیگر کو اعتراض ہے کہ جنگ بدر میں عائشہؓ موجود نہیں تھیں انہیں کس طرح پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ان تک نہیں پہنچی؟ جبکہ اس وقت روح کو جسد کفار میں لوٹا دیا گیا تھا۔۔ صدیقہؓ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ۔۔ جب قرآن کی گواہی یہ ہے کہ قبروں میں پڑے لوگ کسی کی بھی نہیں سن سکتے تو قرآن کی اس گواہی کو تسلیم

کرنا چاہئے۔ خاص کر یہ واضح نہ ہو سکا کہ جب کفار کی روحیں لوٹا دی گئی تھیں تو کیا اہل حدیثوں نے انہیں دیکھ لیا تھا؟ جبکہ قانون یہ ہے کہ موت میں تکرار۔ واعادہ نہیں ہوتا (دخان ۵۶)

جنبی کا روزہ

ابو ہریرہؓ کا کہنا ہے کہ جنبی اگر صبح کی اذان ہونے تک نہیں نہایا تو اسے روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔ چنانچہ معاملہ عائشہ صدیقہؓ تک پہنچا آپ نے فرمایا کہ جنبی بغیر نہائے روزہ رکھ سکتا ہے۔۔ یہ بات جب مروان بن حکم (۶۸۵ م) تک پہنچی تو کہا۔۔ تم جاؤ اور ابو ہریرہؓ سے ملو اور اسے قسم دے کر پوچھو کہ جو کچھ تم کہتے ہو سچ ہے؟ چنانچہ عبدالرحمان بن ابی بکر ایسے وقت میں ابو ہریرہؓ کے پاس پہنچے کہ خود ان کے والد جناب صدیق اکبرؓ بھی وہاں موجود تھے۔ ابو ہریرۃ نے کہا کہ اگر بی بی عائشہؓ اور بی بی ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ جنبی روزہ رکھ سکتا ہے تو ان کا علم میرے علم سے زیادہ ہے۔ (استدراکات ص ۵۷)

نہاتے وقت بالوں کا کھولنا

مسلم میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص عورتوں سے کہتے تھے کہ جب وہ خاص نہانا نہائیں تو بالوں کو کھول کر جڑوں تک پانی پہنچائیں۔۔ یہ بات جب حضرت عائشہؓ تک پہنچی تو فرمایا۔

کاش عبداللہ بن عمرو بن عاص یہ فتویٰ نہ دیتے اس سے تو بہتر تھا کہ عورتوں کو سر منڈانے کا فتویٰ دے دیتے تاکہ ان کے فلسفہ کے مطابق نہ صرف بالوں کی جڑوں تک پانی کا پہنچنا ممکن ہو جاتا بلکہ پورا سر ہی پانی میں ڈبویا جا سکتا۔۔ اس بندہ خدا کو معلوم ہو کہ ہم (ازواج النبی) سر کے گندھے بال کھولے بغیر یوں ہی اوپر سے پانی بہا دیتی تھیں۔ اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ سر پر پانی گرا دیں اور بس (استدراکات ص ۵۷)

نحوست کہاں کہاں؟

ابو داؤد طیالسی (۸۱۹م) بحوالہ ابو ہریرۃ لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔۔ الشوم فی ثلاثة فی الدار والمرأة والفرس۔۔ تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے مکان میں، عورت میں اور گھوڑے میں۔۔ حضرت عائشہ کو جب پتہ چلا تو قرآن سے مدد طلب کی۔ جہاں جواب ملا کہ ما اصاب من مصيبة فی الارض ولا فی انفسكم الا فی كتاب من قبل ان نبرأها۔

زمین میں یا تمہاری ذات میں مصیبت پیش آنے کی جو بھی صورت ہو گی وہ اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ہمارے قانون میں لکھی ہے (حدید ۲۲) اور جب مصیبت کے لئے بھی قانون ہے تو نحوست بغیر قانون کے کیوں؟ (استدراکات ص ۵۹)۔ اس ضمن میں حضرت عائشہؓ سے ایک روایت بھی ہے کہ جن اشیاء میں نحوست کا امکان تسلیم کیا گیا ہے یہ یہودیوں کا عقیدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مذمت کے مقام پر صرف ذکر فرمایا تھا۔

کسی جاندار کو بھوکوں مارنا

کتب روایات میں ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ایک عورت نے ''بلی'' کو پھنسا رکھا تھا نہ اسے کھلاتی اور نہ پلاتی اور نہ آزاد چھوڑتی کہ کیڑے مکوڑے کھا کر زندہ رہتی حتیٰ کہ وہ مر گئی۔ اس پر اللہ نے اس عورت کو عذاب میں مبتلا کر دیا (ص ۶۱)۔ جب یہ حدیث حضرت عائشہؓ کو سنائی گئی تو اتفاق سے ابو ہریرہؓ بھی موجود تھے آپ نے انہیں مخاطب ہو کر فرمایا۔ یا أباهريرة انت الذی تحدث عن رسول الله۔ ابو ہریرہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان خود سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔۔ جی ہاں میں نے رسولؐ اللہ سے خود سنا ہے (استدراکات ص ۶۱/۱۶)۔۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا المومن اكرم عند الله من ان يعذبه

من جراء هرة ۔۔مسلمان اللہ کے نزدیک زیادہ تکریم کا سزاوار ہے لہٰذا اللہ ایک ''بلی'' کی خاطر مسلمان عورت کو جہنم میں داخل نہ کریں گے (ص ۶۱/ ۱۷)۔ پھر ابو ہریرہ سے مخاطب ہوئیں کہ۔یا ابا هريرة اذا حدثت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فانظر كيف تحدث قوله'۔

اے ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بات کرنا احتیاط طلب ہے تم جب کبھی رسول اللہ سے روایت کرو تو سو بار سوچ کر کرو۔ (ص ۶۱/ ۱۸ تا ۱۹)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر اکثر ایسی باتیں سناتے جو بمشکل اعتماد پر پوری اترتیں اور صحابہ انہیں ٹوک بھی دیتے۔ پھر یہاں تو خاص طور پر ایک ''بلی'' کے مار دینے کی بات تھی آپ کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟۔۔ایک بار فرمایا مامسته النار فله وضوء۔۔آگ سے چھوئی۔ابلی یا پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس نے جب یہ سنا تو فرمایا پھر تو سرد موسم میں گرم پانی سے وضو کرنا روا ہی نہ ہوگا کہ اس سے نہ صرف وضو ٹوٹ جاتا ہوگا ہوتا ہی نہ ہوگا (اسلم جیراجپوری ص ۷۱)

مردہ نہلانے پر غسل واجب ہے

ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ من غسل ميتا اغتسل ومن حمله توضا۔ جو میت کو نہلائے ضروری ہے کہ خود بھی نہائے اور جو میت کو کاندھا دے ضروری ہے کہ بعد میں ضو کرے (استدراکات ص ۶۴) یہ روایت اپنے مفہوم میں واضح ہے مگر اسے سیدہ عائشہؓ تسلیم نہیں کرتیں۔ فرماتی ہیں کہ۔کیا مسلمانوں کے مردے نجس اور ناپاک ہوتے ہیں کہ ہاتھ لگانے سے غسل واجب ہوتا یا لکڑی اٹھاتے ہی وضو لازم ہو۔ (ص ۶۴/ ۱۵) یہاں لکڑی سے مراد میت رکھنے والی چارپائی ہے۔

شعر کہنا

ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ تمہارے منہ میں خون اور پیپ انڈیل کر تمہارا پیٹ بھر دیا جائے تو شعر کہنے سے بہتر ہے (استدراکات ص ۶۴) ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ ابو ہریرۃ نے حدیث سمجھی ہی نہیں اس میں ہے کہ جو شعر کسی کی ''ہجو'' میں کہے گئے ہوں وہی شعر عیب جوئی کی وجہ سے ناپاک ہیں۔

کفن سمیت مردوں کا جی اٹھنا

حاکم اور ابن حبان۔ ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ خود انہوں نے جب نزع کا وقت قریب ہوا تو نئے کپڑے پہن لئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے فرمایا کہ ان الميت يبعث فى ثيابه التى يموت فيها ۔۔میت کو ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں دفن کیا گیا۔۔ یہ حدیث جب حضرت عائشہؓ نے سنی تو فرمایا کہ کیا یہ کفن یا نئے کپڑے ابدالآباد تک نہ بوسیدہ ہوں گے نہ گل سڑ جائیں گے؟ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے يحشر الناس حفاتا عراة غرلا ۔۔ لوگ جب قبروں سے اٹھیں گے تو ننگے پاؤں اور ننگے جسم اٹھیں گے (استدراکات ص ۷۱۔ کہاں کا کفن اور کہاں کے کپڑے؟)

نمازی کے آگے عورت کا گذر

ابو ہریرۃ فرماتے تھے ان المراة تقطع الصلاة ۔ عورت اگر نمازی کے سامنے سے گذر جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ غلط ہے۔ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز ادا کرتے اور میں سامنے لیٹی رہتی بلکہ پہلو بدل کر آپ کے سجدے کی جگہ پہنچتی تو میرا پاؤں ہٹا لیتے (استدراکات ص ۶۲) بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ ما يقطع الصلاة۔ الكلب والحمار والمراة۔ کتا، گدھا اور عورت نمازی کے سامنے گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔۔سیدہ عائشہؓ نے جب یہ حدیث سنی تو فرمایا شبهتمو

نا بالحمیر والکلاب واللہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔تم نے ہمیں کتوں اور گدھوں کے برابر کر دیا بخدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی رہتی تھی (استدراکات ص ۸۴/ ۷ تا ۱۰)

مکان میں تصویر ہو تو؟

ابوطلحہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ان الملائکتہ لا تدخل بیتا فیہ کلب او تمثال۔ جس گھر میں کتا یا مورتی ہو تو فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ جب صدیقہ کو پتہ چلا تو ابوطلحہ سے دریافت کیا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث خود سنی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں یا ام المومنین۔۔ پھر وضاحت میں فرمایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ بعض غزوات میں سے کچھ کپڑے لائے تھے۔ میں نے ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ گدے بھی بنائے اور کچھ کے دیواروں پر کپڑے بھی آویزاں کئے جبکہ یہ تصویر دار تھے (استدراکات ص ۷۹)۔

غلاف کعبہ کے کپڑے سلوانا؟

شیبہ بن عثمان حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہوئے اور بتلایا کہ ہمارے ہاں کعبہ کے غلاف اکٹھے ہوئے ہیں ہم زمین میں گہری کھڈ بنا کر انہیں دفن کر دیتے ہیں تا کہ کوئی جنبی مرد یا حائضہ استعمال نہ کر پائیں!! آپ نے یہ سن کر فرمایا ما احسنت بئس ما صنعت ان ثیاب الکعبۃ اذا نزعت منہا لم یضرہا ان یلبسا الجنب والحائض۔

تم نے بہت برا کیا جب کعبہ سے غلاف اتر گیا تو اس کا وہ تقدس نہیں رہا اب اگر اس کا سوٹ بنا کر کوئی جنبی یا حائضہ پہن لیتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے (بہتر ہے کہ انسان کے استعمال میں آئے گڑھے میں دفنانے سے تو گل سڑ جائے گا استدراکات ص ۸۰) تاہم اگر خود نہ پہنو تو بہتر ہے کہ اترے غلاف کو بیچ کر اس کے پیسے غریبوں اور مسافروں میں بانٹ دو۔ (استدراکات ص ۸۰/ ۱ تا ۶)

متعہ کے بارے میں

آپ نے سنا کہ کچھ لوگ ''متعہ'' کے بارے میں بعض باتیں پھیلا رہے ہیں تو قرآن سے روشنی طلب کی قرآن نے فیصلہ سنا دیا کہ۔۔ والذین ہم لفروجہم حافظون۔ (القرآن ۵/ ۲۳)۔ بیوی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی ذریعہ حلال نہیں ہے۔ (استدراکات ص ۸۶)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔۔ جب سیدہؓ کو پتہ چلا تو فرمایا۔۔ من حدثکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدا۔

جس نے یہ روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو فلا تصدقوہ اسے جھٹلا دو کہ آپؐ نے ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا ہے۔ (استدراکات ص ۸۶)

ایک روایت میں ہے ما بال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائما منذ انزل علیہ القرآن ۔۔ایک روایت میں ہے مارأی احد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبول قائما منذ انزل علیہ القرآن۔

سیدہ عائشہ نے فرمایا جب سے قرآن کا نزول ہوا نہ تو آپؐ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا نہ ہی کسی نے ایسی حالت میں آپ کو دیکھا (استدراکات ص ۸۷/ ۷ تا ۸)

چاشت کی نماز

عام طور پر عابد و زاہد لوگ نمازوں کی کئی قسمیں ادا کرتے ہیں اور ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ

بھی دے دیتے ہیں لیکن بی بی عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ۔ آپؐ نے ایسی کوئی نماز ایجاد نہیں کی جو چاشت کے وقت ادا کی جانے والی ہو ہاں اگر آپؐ سفر سے تشریف لاتے تو (استدراکات ص ۸۸)۔

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یا تو سفر میں کوئی صلواۃ رہ گئی ہو یا پھر گھر سلامت پہنچنے پر شکرانے کا دوگانہ ادا کیا ہو۔

معراج النبیؐ

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ اوپر ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر دیدار کرا لیا تھا۔ اب معراج کا لفظ اگرچہ قرآنی لفظ نہیں ہے تاہم اس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ اس طرح یہ درجات کی بلندی کا استعارہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ کے لئے جہت' اور مکانیت کا عقیدہ رکھتے تھے وہ کہتے تھے کہ معراج جسمانی ہوا تھا۔ لیکن شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ۔۔ حضرت عائشہ کو اس سے انکار تھا۔ (مقالات شبلی ص ۶۹/ ۶ تا ۷)

یہ تمام واقعات دیکھ جایئے صدیقہ نے اپنی بات کو یا تو قرآن پاک کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ قرآن ہی آپ کی سانسوں میں رچا بسا ہوا تھا۔ یا پھر قدرت نے آپ کو جس ذہانت و فطانت سے۔ جس ارتقائی سوچ اور فراست سے نواز اتھا اس کے حوالہ سے بات کرتی تھیں اور یہی دانشوران قرآن کا امتیاز ہے جو ازل سے تا ابد انہیں زندہ و پائندہ بنائے رکھے گا۔

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

سانحہ ہائے ارتحال

حیدرآباد کے وابستگان دامن قرآنی کے لئے دلسوز خبر یہ ہے کہ ۱۴ مارچ ۲۰۰۱ء بروز بدھ کو حیدرآباد کی بزرگ شخصیت جناب محترم محمد تقی بابا جو کہ اپنی ذات میں خود ایک بزم تھے۔ اپنی عمر عزیز کی ۷۵ بہاریں گزار کر ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے تمام احباب قرآنی کو سوگوار چھوڑ کر اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

مرحوم ادارہ طلوع اسلام حیدرآباد کے بنیادی رکن تھے۔ مرحوم فکر قرآنی سے تقریباً ۲۵ سال سے وابسطہ تھے۔ بابا تقی آخری عمر تک قرآن کی تعلیم و ترویج کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے۔ مرحوم بابا تقی حلیم و متین طبیعت کے مالک تھے اور علم کا خزانہ تھے کوئی طالب علم بابا تقی کے ہاں سے نامراد نہیں جاتا تھا۔ غرض کہ بابا تقی کی خدمات قابل ستائش ہیں اور انہیں ہم ضبط تحریر میں نہیں لا سکتے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بابا تقی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔

نمائندہ بزم طلوع اسلام سرگودھا ملک محمد اقبال صاحب کی والدہ ماجدہ وفات پا گئی ہیں۔ دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو اور پس ماندگان کو صبر جمیل۔ ادارہ مرحومہ کے اعزہ و اقارب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس (فاضل درس نظامی)

قرآن کریم میں ربوٰ کی وضاحت اور اس کی مذمت

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں ربوٰ کے متعلق بہت واضح احکام درج ہیں اور اس کی حرمت پر صدر اول سے لے کر آج تک مجموعی طور پر امت میں اتفاق رہا ہے لیکن اس پر اس نوعیت سے کبھی بھی غور و فکر نہیں کیا گیا جس طرح آج یہ مسئلہ زیر غور ہے۔ ہم مسلمانوں میں خلافت راشدہ کے فوری بعد ملوکیت نے پوری طرح غلبہ و استیلاء حاصل کیا اور ملوکیت کے اسی غلبہ و استیلاء کے دوران اسلامی قوانین وضع ہوئے اور انہی قوانین کی بعد میں جمع و تدوین ہوئی۔ اول تو وہ دور تمدن کا بہت ابتدائی دور تھا اور اس زمانے تک بینکاری، انشورنس، وغیرہ ادارے قائم نہیں ہوئے تھے جس کی وجہ سے ربوٰ کی اس قدر اہمیت ہوتی کہ اس پر آج کل کی طرح غور و فکر کرنا پڑتا، تاہم جن کاروبار اور بیع و شریٰ کا اس دور میں رواج تھا ان میں ربوٰ کے عنصر کو اس طرح نظر انداز کر دیا گیا کہ ان کے متعلق کبھی یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ قرآن کریم کی رو سے وہ ربوٰ کی تعریف میں آتے ہیں۔ (تفصیل ان امور کی آگے آتی ہے) مسلمانوں کے قوانین، جنہیں فقہ اسلامی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے چونکہ ملوکیت کے دور میں مدون ہوئے اس لئے اس دور کے علماء نے ملوکیت اور ملوکیت سے ساز باز کرنے والے سب اداروں کا قوانین شرعی سے اس طرح جواز نکالا، کہ ملوکیت اور ان اداروں پر کسی طرح کی زد نہ پڑے اور بادشاہ وقت کو کسی مزاحمت سے دوچار نہ ہونا پڑے، اگر اس نقطہ نگاہ سے غور کیا جائے تو ہمارے مروجہ فقہ کا بیشتر حصہ قرآن کریم کے خلاف نظر آتا ہے۔ اس کے لئے بھی اگرچہ اصل وجہ تو ملوکیت ہی تھی، لیکن مزید وجہ یہ ہوئی کہ اس وقت تک عقل انسانی نے اتنی ترقی بھی نہیں کی تھی۔ آج سے ایک ہزار سال پیشتر ساری دنیا اور بالخصوص یورپ میں بھی قوانین بہت سخت گیر اور بربریت پر مبنی تھے اسی طرح مسلم ممالک میں بھی اس دور کے فقہا نے جو قوانین وضع کئے تو اپنے دور سے متاثر تھے اور وہ موجودہ زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ان قوانین میں عام شہری کے حقوق کا کوئی تصور نہیں تھا۔ عورتوں کے حقوق بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اسی طرح ربوٰ کے احکام بھی وقت کے تقاضوں سے متاثر ہوئے اور جو صحیح نوعیت ربوٰ کی قرآن کریم کے مطابق تھی وہ نگاہوں سے مستور رہی۔

تمدن کی ابتداء سے ہی انسان نے یہ کوشش کی کہ ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جس میں انسان سکون اور آرام کی زندگی بسر کر سکے اور زیادہ سے زیادہ افراد کو ان کے حقوق ملتے رہیں، اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ انسانی معاشروں نے اس طرح رفتہ رفتہ ترقی کی اور وقت کے ساتھ ساتھ بہتر سے بہتر معاشرے تعمیر ہوتے چلے گئے۔ فلاسفہ یونان نے اپنے غور و فکر کا بیشتر حصہ اسی مسئلہ کے حل کرنے میں صرف کر دیا اور اپنے اپنے دور کے مطابق انہوں نے بھی مرفہ الحال ریاستیں قائم کیں۔ اس کے بعد رومۃ الکبریٰ میں اس سے بہتر تہذیب و تمدن نے راہ پائی۔ ہمارے دور میں مغربی اقوام نے بہترین معاشرے قائم کرنے کی کوشش کی۔ موجودہ دور میں جو بہترین معاشرے متشکل ہوئے ان میں جمہوریت اور اشتراکیت سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ جہاں تک اشتراکیت کا تعلق ہے

اگر چہ اب اس پر تبصرہ کرنے کا وقت گذر گیا ہے۔ تاہم مضمون زیر عنوان کے حوالہ سے یہ بات تحریر کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے نظام میں ربٰو سے اجتناب کیا اور پیدائش دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی اور اجتماعی ملکیت میں دے دیئے گئے اور ضروریات زندگی کو افراد پر تقسیم کرنے کا کام بھی جماعت ہی کے سپرد ہوا۔ بظاہر تو یہ طریقہ بہت مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا عملی پہلو جب سامنے آئے تو اس کے نقائص بھی کھلتے چلے گئے اور اس کے نتائج بھی اتنے ہی خراب نکلے کہ ان کو اختیار کرنا بے سود معلوم ہوا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ وسائل پیداوار سے کام لینے اور پیداوار کو تقسیم کرنے کا انتظام خواہ نظری طور پر پوری سوسائٹی کے سپرد ہو، لیکن عملاً یہ کام ایک مختصر سی جماعت ہی کے سپرد ہوگا، جو کسی نہ کسی طرح اس کام کو اپنے لئے مختص کرے گی۔ خواہ یہ مختصر سی جماعت بزور اوپر آئے اور خواہ لوگوں کی نمائندگی سے، اس طرح ساری سوسائٹی اس مٹھی بھر جماعت کے زیر انتظام ہوگی۔ وہی چند لوگ عملاً اس سوسائٹی کے حکمران ہوں گے کیونکہ سارے وسائل پر اس مختصر گروہ کا تسلط ہوگا۔ مزدور نہ تو سٹرائک کر سکیں گے اور نہ ہی کوئی دوسرا ذران کے لئے کھلا ہوگا کہ وہ اس کو چھوڑ کر اس کا سہارا تلاش کر سکیں۔ اس لئے یہ سوسائٹی یا اسٹیٹ سارے سرمایہ داروں کو اور سارے زمینداروں کو کھا کر سب سے بڑا سرمایہ دار اور سب سے بڑا کارخانہ دار بن جاتی ہے۔

دوسرا متمدن معاشرہ جو ہمارے دور میں سب سے زیادہ قابل تقلید نظر آتا ہے وہ سرمایہ داری کا معاشرہ ہے اور آج کل عملاً زیادہ تر ممالک میں یہی جاری بھی ہو رہا ہے اور اس کی ہی خوبیاں اور فضائل اکثر و بیشتر زبان ہیں لیکن یہ بھی کوئی Ideal معاشرہ نہیں ہے۔ اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ ہر انسان اس بات کے لئے آزاد ہے کہ وہ جتنا بھی سرمایہ کما سکے، کما لے، کسی قسم کی کوئی پابندی حرام و حلال کی اس پر نہیں ہے اور اس سرمایہ کو حاصل کرنے کے بعد اسکو کلی اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس کو استعمال کرے۔ جس قدر وسائل پیداوار اس کے قابو میں آئیں وہ نہ صرف ان کو قابو میں رکھ سکتا ہے بلکہ اگر چاہے تو دوسروں کو ان کے انتفاع سے محروم رکھ سکتا ہے۔ اس طرح وہ وسائل پیداوار، اور اپنے حاصل کردہ سرمایہ کے زور پر روز بروز زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کر کے دوسروں کو محروم کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ معاشرے میں صرف دو قسم کے افراد باقی رہ جاتے ہیں۔ ایک وہ جو تمام دولت اور وسائل سمیٹ کر ان سے ہر طرح کا انتفاع حاصل کرتا ہے اور دوسرا وہ گروہ جو تمام وسائل اور دولت سے محروم ہو کر دو وقت کے کھانے کے لئے بھی محتاج ہوتا ہے اور اس کا مقصد حیات پہلے گروہ کی خدمت اور اسکی دولت میں اضافہ کرنا رہ جاتا ہے۔ یہ اول الذکر گروہ، یعنی سرمایہ دار ٹولہ، یہ سارا سرمایہ ربٰو کے زور پر حاصل کرتا ہے۔ اس کے لئے بینک قائم کئے جاتے ہیں۔ جوائنٹ سٹاک کمپنی Joint Stock Co. کھولی جاتی ہیں، انشورنس کمپنیاں شروع کی جاتی ہیں اور Provident Funds قائم کئے جاتے ہیں۔ اور آج کل ایک نئی صورت ''مضاربہ'' کی نکلی ہے جو روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ ان تمام تدابیر میں ایک ہی خواہش مشترک ہے، جو ان تمام تدابیر کے پیچھے جذبہ محرکہ کا کام کرتی ہے اور وہ ہے سرمایہ سے مزید سرمایہ پیدا کرنا اور اس میں جو چیز خون کی طرح دوڑتی پھرتی ہے وہ ہے ربٰو یعنی سود۔

آج ہم جس مقام پر کھڑے ہیں اسی میں ایک پورا نظام جو دنیا کی معتد بہ آبادی پر مشتمل تھا، پورے ۷۰ سال قائم رہ کر بالکل ناکام ہو چکا ہے۔ یہ نظام نہایت خوش آئند نعروں اور بلند آہنگ دعوؤں کے ساتھ آیا تھا اور اسکو قائم کرنے میں لاکھوں جانوں کا اتلاف ہوا تھا۔ صرف سٹالین کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس نے ۴۰ لاکھ افراد کا خون کیا تھا۔ تب یہ نظام پوری طرح مسلط ہو سکا تھا۔ دوسری طرف سرمایہ داری پر مبنی ممالک ہیں جو ایک دوسرے کی دولت حاصل کرنے کی فکر میں رات دن مصروف ہیں۔ آج دنیا کی سیاست ''منڈیوں'' کے گرد گھوم رہی ہے اور ہر قوم دوسری قوم کی دولت کو اپنانے کی فکر میں لگی ہوئی ہے۔ اب تک عقل انسانی جو بھی نظام بنا سکی، انسانیت کو فلاح اس میں حاصل نہیں ہو سکی اور انسان ایک

ایسے نظام کی تلاش میں ہے جس میں اس کو سکون حاصل ہو سکے۔

قرآن کریم کا موقف یہ ہے کہ عقل انسانی کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ وہ ایسی مستقل اقدار Permanent Values وضع کر سکے کہ ان پر قائم شدہ معاشرہ، امن و سکون کا علمبردار ہو۔ عقل انسانی ایسا معاشرہ قائم کر ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ عقل انسانی ہمیشہ اپنا مفاد پیش نظر رکھتی ہے۔ جب بھی وہ کوئی معاشرہ تشکیل دے گی اس میں وہ اپنا مفاد، یا اپنے گروہ کا مفاد، یا اپنی قوم کا مفاد پیش نظر رکھے گی اور دوسری قوموں کی حق تلفی کی مرتکب ہوگی۔ یہ صرف وحی کی خصوصیت ہے کہ وہ ایسا معاشرہ قائم کرتی ہے جس میں ہر شخص اپنا حق حاصل کرتا ہے اور سکون کی زندگی بسر کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے نزول کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا کہ اس معاشرہ میں کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوگا۔

فاما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (۲/۳۸)

قرآن کریم نے بہترین معاشرہ کو Define ہی اس طرح کیا ہے کہ اس میں کسی قسم کا خوف یا کسی طرح کی insecurity نہیں ہوتی۔

قرآن کریم انسان کی راہنمائی کرتا ہے اور ایک مکمل سیاسی، اقتصادی، معاشرتی نظام دیتا ہے جس کو متمکن کرنے کے ہم سب مسلمان مکلّف و پابند ہیں۔ صحیح معنوں میں ہم مسلمان کہلانے کے مستحق ہی اس وقت ہیں جب ہم اس کا یہ نظام پوری طرح متشکل کریں۔ اس سلسلہ میں دو باتیں ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر نظام ایک اکائی ہوتا ہے جو نا قابل تقسیم ہوتا ہے اور اس کو من وعن جاری کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کسی نظام کا کچھ حصہ اپنانا اور کچھ سے اعراض کرنا، اس نظام کو ناکام کرنے کے مرادف ہے۔ کیونکہ اس طرح نہ تو وہ نظام صحیح طور پر قائم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے درست نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے حکم فرمایا کہ ادخلو فی السلم کافۃ۔ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو، یعنی اس کا پورا نظام اجتماعی حیثیت سے اختیار کرو۔ دوسری جگہ اسی مفہوم کو ادا کرتے ہوئے فرمایا افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض (۲/۸۵) کیا تم قرآن کریم کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور ایک حصہ سے کفر کرتے ہو اور قرآن کریم نے اس کا نتیجہ دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں عذاب قرار دیا ہے اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ قرآن کریم کا نظام من حیث الکل اپنانا ضروری ہے۔

دوسری بات جو قابل التفات ہے وہ یہ ہے قرآن کریم اپنا نظام بتدریج نافذ کرتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ اس کا نظام ایک مرتبہ ارادہ کرتے ہی کوئی قوم پورا نافذ کر دے اس کا درست طریق کار یہ ہے کہ پہلے لوگوں کو اس کے لئے تیار کیا جائے۔ ذہنی طور پر لوگوں کو اس بات کا قائل کیا جائے کہ عقل انسانی کوئی متوازن معاشرہ قائم نہیں کر سکتی اور انسانیت کی آخری پناہ گاہ صرف قرآن کریم کے دیئے ہوئے نظام میں ہی حاصل ہو سکتی ہے جب مخلص لوگوں کی ایک جماعت اس بات پر مطمئن ہو جائے تو قرآن کریم کے قوانین نافذ کرنے شروع ہوں۔ حضورؐ نے قرآن کریم کی راہنمائی میں یہی طریقہ اختیار فرمایا۔ پورے تیرہ سال حضور نے مکہ میں قیام فرمایا اور مخلص صحابہ کی ایک جماعت کو اس نظام کے قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ چونکہ مکہ میں اس کی سخت مخالفت ہوتی اس لئے حضور مدینہ تشریف لے گئے اور وہاں ان مخلص مہاجر اور مقامی صحابہ کی معاونت سے ان احکامات کو عملی شکل دینا شروع کی۔ اس میں تدریج پیش نظر رہی۔ عرب شراب کے سختی سے عادی تھے ان کے خمیر میں شراب رچا بسا ہوا تھا۔ ان کو اس لعنت سے مجتنب رہنے کے لئے پہلے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ ولا تقربوا الصلوۃ وانتم سکری۔ اس کے بعد شراب کے عیوب ونقائص یہاں فرمائے۔ واثمھما اکبر من نفعھما۔ (۲/۲۱۹)۔ پھر اس کے بعد جب ان کو اس کی برائی سے آگاہ کر دیا اور لوگوں کو اس سے متنفر کر دیا تو اسکی حرمت کا اعلان فرما دیا۔ اسی

طرح عربوں میں غلام عام تھے۔ گھر گھر میں غلام موجود تھے ان کو اگر ایک مرتبہ ہی آزاد کر دیا جاتا تو ان کی Economy بالکل غیر متوازن ہو جاتی۔ اس لئے پہلے غلاموں سے حسن سلوک کے احکام آئے۔ اس کے بعد ان کو کفارہ کے طور پر آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد قرآن کریم نے غلامی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور قیامت تک کے لئے اس کا راستہ مسدود کر دیا۔ کیونکہ قرآن کریم لوگوں کو آزاد کرانے کے لئے آیا ہے غلام بنانے کے لئے نہیں۔ فرمایا کہ فاما منا بعد واما فداءً۔ (۴/۴۷)

قرآن کریم نے معاشی قوانین کے نفاذ کے لئے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے قرآن کریم پورا معاشی نظام عنایت فرماتا ہے۔ اس کے کچھ احکام عبوری دور کے لئے ہیں اور کچھ انتہائی دور کے لئے ہیں جس کا قیام قرآن کریم کا مطمح نگاہ ہے۔ لیکن ربٰو ہر حال میں حرام مطلق ہی رہا ہے اسکی کسی دور میں گنجائش نہیں رہی اور نہ ہی اس میں تدریج کا عمل اختیار کیا گیا۔ مضمون زیر نظر میں پہلے اسلامی معاشرہ کے عبوری دور کے احکام اور اس کے بعد انتہائی دور کے احکام پیش خدمت کئے جائیں گے اور اصل بحث مسئلہ ربٰو کی پیش خدمت ہوگی۔

پہلی چیز جس پر قرآن کریم اصرار کرتا ہے وہ اس کے حلال وحرام ذرائع کی تقسیم ہے۔ قرآن کریم حلال ذرائع کے اندر دولت کمانے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن حرام ذرائع سے دولت جمع کرنے کی سخت ممانعت کرتا ہے۔ اس نے چوری، رشوت، ڈاکہ، ناپ تول میں کمی، شراب کی بیع وشریٰ، خیانت، دھوکہ دہی، مال یتیم اور سود خواری کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ یہ انسانوں کے ذہن نشین کراتا ہے کہ یہ تمام امور نہایت مکروہ ہیں اور ان میں سے کسی ذریعے سے بھی دولت کمانا مناسب نہیں ہے۔ اسلامی سوسائٹی میں ان تمام امور کو نہایت استحقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ان ذرائع سے حاصل کردہ دولت کو میت محبوب شمار کیا جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم جائز طریقوں سے بھی جو دولت کمائی جائے، اس کو بھی جمع کرنے سے منع کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے۔ دولت جمع کرنے والا خود بھی اس کا غلط استعمال کرتا ہے بلکہ پوری سوسائٹی کے خلاف جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ایسا کرنے والوں کو دردناک عذاب کی خبر دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ..... الخ

اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم درست طریقے پر خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ اپنی جائز ضروریات کے لئے رکھ کر باقی جو مال بھی کسی کے پاس ہے، اس کو دوسروں کے لئے، خرچ کر دے۔ اس حکم کے جاری کرنے سے قرآن کریم کا نظریہ سرمایہ داری کے نظریہ کے بالکل متضاد ہو جاتا ہے۔ پھر قرآن کریم ان دونوں احکامات یعنی جمع کرنے کی ممانعت اور خرچ کرنے کے اصرار سے جو ذہنیت پیدا کرتا ہے وہ سرمایہ دارانہ ذہنیت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ سرمایہ دار یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ ایک شخص اپنا روپیہ سود کے بغیر دوسرے پر کیوں خرچ کرے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم نے وراثت کا قانون بھی عبوری دور کے لئے تجویز کیا ہے کہ حلال طریقوں سے حاصل کردہ دولت میں تمام عمر اخراجات کرنے کے باوجود بھی جو دولت بچ جائے اس کو تقسیم کرنے کے لئے پھر قرآن کریم نے وراثت کا قانون دیا ہے۔ دوسرے معاشی نظاموں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص نے جو دولت سمیٹ کر جمع کی ہے وہ اس کے بعد چند اشخاص میں ہی تقسیم ہو جائے مگر قرآنی قانون وراثت کا مقصد یہ ہے کہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نزدیک اور دور کے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کو مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دیا جائے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے متبنیٰ بنانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسلام نہ صرف دولت سمیٹنے کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ اس کو پھیلانا چاہتا ہے تاکہ دولت کی گردش میں آسانی ہو۔

اسی طرح مال غنیمت کے احکام ہیں۔ اس جگہ بھی وہی مقصد پیش نظر ہے۔ جنگ میں جو مال غنیمت حاصل ہو اس کے متعلق قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے پانچ حصص

کئے جائیں، چار حصص فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک حصہ اس غرض سے مخصوص کر دیا جائے کہ وہ عام قومی کاموں میں صرف ہو۔ ارشاد باری ہے۔ واعلموا انما غنمتم ..... (۸/۴۱)۔

یہاں مفسرین کا اتفاق ہے کہ اللہ اور رسول کے حصہ سے مراد وہ حصہ ہے جو اجتماعی امور کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس آیت کریمہ کے مطابق خمس میں بھی تین طبقوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ پہلا طبقہ قوم کے بچے ہیں تاکہ ان کی تعلیم و تربیت کا صحیح انتظام ہو سکے اور وہ آسانی سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ دوسرا طبقہ مساکین کا ہے جن میں بیوہ عورتیں، اپاہج اور معذور لوگ سب شامل ہیں۔ تیسری قسم ابن سبیل یعنی مسافر کی ہے۔ قرآن کریم نے اپنی اخلاقی تعلیم میں مسافر نوازی کا خاص اہتمام رکھا ہے۔ خمس کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ و صدقات میں بھی مسافر کا حصہ رکھا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس نے اسلامی ممالک میں تجارت، سیاحت، تعلیم، نقل و حرکت کو بہت آسان بنا دیا ہے اسلامی مملکت کی حدود کے اندر اندر کوئی شخص بھی سفر کرنے میں پریشانی محسوس نہیں کر سکتا۔ وہ کسی قسم کی پریشانی یا Insecurity سے دوچار نہیں ہو سکتا۔

زکوٰۃ

یہ محض ایک نیکی یا خیرات نہیں ہے بلکہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ قرآن کریم میں ۳۷ مقامات پر اس کا اور نماز کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور سخت تاکید کی گئی ہے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور نجات اخروی کا مدار ان پر ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ زکوٰۃ نہ صرف اس امت پر فرض ہوئی ہے بلکہ سابقہ امم پر بھی یہ فرض تھی۔ سورۃ انبیاء ۷۳/۵، مریم ۵۵/۸۳۔ زکوٰۃ جہاں معاشرہ کی بھلائی کے لئے ضروری ہے وہاں یہ دینے والوں کی روحانی ترقی کا باعث بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک طرح کا ٹیکس نہیں ہے بلکہ عبادت کا جزو ہے اور نفس انسانی کی اصلاح کا ایک اہم حصہ ہے جس طرح صلوٰۃ فرض ہے اسی طرح یہ فرض ہے۔ دینی فریضے اور دینی اہمیت کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صدر اول میں جب حضرت ابوبکرؓ کے دور میں یمن کے لوگوں نے زکوٰۃ روک لی تھی، تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جہاد کیا اور اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ انہوں نے اس کی دوبارہ ادائیگی شروع نہیں کی۔

ان تمام طریقوں سے قرآن کریم ایسا معاشی نظام قائم کرتا ہے جس سے ایک طرف ہر طرح کا معاشی ظلم ختم ہوتا ہے اور بے جا استحصال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تو دوسری طرف معاشرے میں اخلاقی فضائل کا نشو و نما ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے پیش نظر ایسا معاشرہ بنانا نہیں ہے جس میں کوئی کسی کے ساتھ نیکی نہ کرے اور اس میں اخلاقی فضائل کا نشو و نما نہ ہو اس کے برعکس اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ، رضا کارانہ، ہمدردی اور احسان کا سلوک کریں اور ان کے درمیان آپس میں محبت پیدا ہو۔ اس کے لئے وہ زیادہ زور لوگوں میں ایمان پیدا کرنے اور ان کو صحیح تعلیم و تربیت دینے اور اچھے انسان بنانے پر دیتا ہے۔ پھر اس کے بعد اپنے اجتماعی فلاح کے قوانین نافذ کرتا ہے جن کا ذکر سابقہ سطور میں کیا گیا ہے۔ اس طرح ایک توازن بدوش معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ یہ معاشرہ جو قرآن کریم قائم کرتا ہے ایک ایسے عبوری دور کے لئے ہے جس میں وہ افراد معاشرہ کو تیار کرتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ قرآن کریم کا متعین شدہ معاشرہ قائم کریں اور اسی انتہائی معاشرے میں ربوٰ کا صحیح تصور قرآن کریم کی رو سے متعین ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مسئلہ ربوٰ کی مفصل بحث پیش خدمت ہے۔

ربوٰ کی لغوی بحث

عربی کی مستند لغات لسان العرب، اقرب الموارد، اور تاج العروس کے مطابق ربوٰ کے معنی زیادتی اور بڑھوتی کے ہیں، اور قرآن کریم نے بھی ان آیات میں اس لفظ کو انہی معانی میں استعمال کیا ہے۔

ربا یربو۔ زیادہ ہونا۔ لیربوا فی اموال الناس ۳۹/۳۰ تاکہ لوگوں کے اموال میں

زیادتی ہو۔ اربی کے معنی زیادہ کثیر دولت میں بڑھا ہوا ۱۶/۹۲ ربوہ' زمین کا بلند حصہ ۲۳/۴۰ رابیاً سیلاب پر رونما ہونے والی جھاگ ۱۳/۱۷۔

ربٰو کی شرعی تعریف درج ذیل ہے۔

(۱) قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم مدت و مہلت کے مقابلے میں حاصل کی جائے وہ ربٰو ہے۔

(۲) احکام القرآن میں امام حصاص نے ربٰو کی یہ تعریف بیان کی ہے۔

وھو القرض المشروط فیہ الاجل و زیادۃ علی المستقرض۔

ربٰو قرض کا وہ معاملہ ہے جس میں میعاد مقرر کی گئی ہو اور قرض لینے والے پر قرض کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دینے کی شرط لگائی گئی ہو۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا وقال رسول اللہ کل قرض جرا نفعا فھو ربو۔

حضور نے فرمایا کہ ہر وہ قرض جو نفع کماتا ہو تو اس کا یہ نفع سود ہے۔ (المطالب العالیہ از ابن حجر)

(۴) سنن کبریٰ میں ہے۔

حضرت فضالہ (صحابی) فرماتے ہیں کہ جو قرض نفع کھینچتا ہے وہ سود کی ایک قسم ہے۔

(۵) ایک شخص حضرت عبداللہ ابن عمر کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے مگر یہ شرط لگائی ہے کہ مجھے اس سے زیادہ دو گے جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا یہی تو ربٰو ہے۔ (موطا امام مالک' طبع قاہرہ' باب الربا فی الدین' جلد ۲' ص ۶۷۲)۔

(۶) مسلمانوں نے اپنے نبی کریم سے نقل کی بنا پر اجماع کیا ہے کہ قرض کے اصل مال پر اضافے اور زیادتی کی شرط لگانا سود ہے۔ اگرچہ یہ اضافہ ایک مٹھی گھاس یا ایک پیسہ ہو۔ (التمہید' ابن عبدالبر۔ ج ۴' ص ۶۸)۔

(۷) ۔۔۔ سے مراد وہ اضافہ ہے جو مال کے مالک کے لئے کیا جاتا ہے۔ جس وجہ سے کہ اس نے اپنے مقروض کے لئے مدت بڑھا دی ہے اور اپنے قرض کی وصولی موخر کر دی ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۳' ص ۱۰۳)

ربٰو کی جو تعریف definition مذکورہ بالا شقوں میں دی گئی ہے۔ یہ اس ربٰو کی تعریف ہے جس کی حرمت قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہے۔ اس کی حرمت بھی قطعی ہے اور اسکی تعریف بھی متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا ابہام بھی نہیں ہے اور یہی وہ ربٰو ہے جو عربوں میں معروف تھا اور جس کو وہ بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ اس کو ربٰو القرآن بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اسکی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اسے ربٰو جلی اور ربٰو حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے۔ لغات' عرب دور جاہلیت کے حالات' احادیث و آثار سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ربٰو کے مفہوم یا تعریف میں کبھی شبہ پیدا نہیں ہوا۔ ربٰو کا یہی مفہوم ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے یعنی قرض پر مشروط اضافہ اور اس کی قانونی و فقہی تعریف درج کر دی گئی ہے۔ عربوں کے ہاں ربٰو کا ایک ہی طریقہ رائج تھا کہ ایک شخص کسی کو ایک ہزار روپے قرض دیتا اور ایک سال کے بعد اس سے گیارہ سو روپے وصول کرتا۔ یہ سو روپے جو ہزار روپے پر ایک سال میں اضافہ ہوتا تھا یہ اس زمانہ کا ربٰو تھا۔ جس کو قرآن کریم نے بالصراحت حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وان تبتم فلکم رءوس اموالکم ۲/۲۷۵۔ اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے صرف راس المال یعنی اصل زر جائز ہے اور ہر طرح کا اضافہ حرام ہے۔ اس زمانہ میں ربٰو کا صرف یہ ایک طریقہ رائج تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روپے پر روپے کا اضافہ بغیر کسی محنت کے حرام ہے فقہا کی تعریف اور قرآن کریم کی تعریف ایک ہی ہے یعنی روپیہ کا اضافہ بغیر کسی محنت کے ربٰو ہے اور یہ حرام ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے جب دور ملوکیت میں ربٰو کے متعلق قوانین منضبط ہوئے تو اس اصول کو جو قرآن کریم سے بالکل واضح ہے' اور خود فقہائے کرام نے بھی جس کو اختیار کیا' اس اصول کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور اس کی اصل وجہ اس دور کی ملوکیت اور پیداواری اداروں کے Pressure groups تھے۔ نقد رقم پر اضافہ کو تو اسلامی قوانین نے ناجائز قرار دیا۔ لیکن اسی رقم سے اگر زمین

خرید کر کے کسی کو بٹائی پر دے دی جائے' تو اس کو حلال قرار دیا گیا حالانکہ ساری محنت کسان اور اس کے بچے سارا سال کرتے ہیں اور زمین کا مالک اس سے آدھی رقم وصول کر لیتا ہے اور یہ رقم مسلسل وصول کرتا رہتا ہے اور اصل زر' زمین کی صورت میں محفوظ رہتا ہے۔ قرآن کریم کے اصول کی رو سے یہ ربوٰ ہے۔ اسی طرح مضاربت کو بھی اسلامی قوانین نے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا ہے اس لئے کہ روپیہ بغیر محنت کے اس میں زیادہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لیس الانسان الا ماسعی۔ یعنی انسان کے لئے صرف محنت کی کمائی جائز ہے اس کے علاوہ کوئی ذریعہ بغیر محنت کے پیسہ کمانے کا جائز نہیں ہے۔ لیکن اس وقت ربوٰ کے سلسلہ میں جو دشواری پیش آ رہی ہے وہ صرف فقہا کا تسامح ہے۔ قرآن کریم نے ارض (زمین) کے متعلق فرمایا کہ وجعلنا لکم فیھا معایش۔ ۱۰/۷ اور ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامان معیشت رکھے ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ سامان زیست کا اصلی سرچشمہ ارض (زمین) ہی ہے۔ اس لئے یہ لفظ وسائل و ذرائع رزق کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کسی فرد کی ملکیت میں نہیں جا سکتی والارض وضعھا للانام (۵۵/۱۰) کے یہی معنی ہیں کہ زمین کو ہم نے مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے متاعاً لکم ولانعامکم' تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے زندگی کا سامان لہٰذا کوئی نظام جس میں زمین نوع انسانی کے مشترکہ فائدہ کے بجائے کسی خاص گروہ کے فائدہ کے لئے مخصوص ہو جائے قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ اسی لئے ایک جگہ تاکید مزید کے لئے ارشاد ہے کہ سواء للسائلین (۴۱/۱۰) اس سرچشمہ رزق کو تمام لوگوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے۔ وسائل پیداوار' روشنی' ہوا' دھوپ' پانی' زمین' قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہنے چاہئیں تاکہ وہ معاشرہ ایسا انتظام کر سکے کہ جس سے تمام افراد کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ جب جاگیرداری اور زمینداری کو ہر نظام کا جزو لاینفک سمجھا جاتا تھا قرآن کریم نے اس وقت یہ انقلابی آواز بلند کی اور ایک Revolutionary Idea دیا کہ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ یہ ہر شخص کے لئے بلا مزد و معاوضہ ہے۔ دنیا نے اس وقت اس انقلابی نظریہ کی اہمیت کو نہ سمجھا۔ لیکن اب زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس طرف چلی آ رہی ہے۔ لیکن خود مسلمانوں نے اس کو نظر انداز کر دیا اور اس خالص ربوٰ کو شیر مادر کی طرح حلال قرار دے دیا۔

ربوٰ کے نقائص

قرآن کریم نے خود ربوٰ کے نقائص بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ویتخبطہ الشیطن من المس (۲/۲۷۵)' یہ لوگ یوں کھڑے ہوتے ہیں جسے انہیں سانپ نے ڈس لیا ہو۔ اس میں ذہنی جنون اور قلبی اضطراب کی شدت سب کی سب آ جاتی ہے جو اس شخص کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ جس کے دل میں ہوس زر نے آگ لگا رکھی ہو۔ اس جنون کے نتیجہ میں انسانی حرکات میں بے راہ روی پیدا ہو جاتی ہے اور سوچ و فکر اور نمود و تدبر کا مادہ اس میں نہیں رہتا۔ سود خواروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ ہوس زر سے بے چین رہتے ہیں اور سوچ اور فکر سوائے اضافہ زر کے کسی اور چیز کی نہیں رہتی۔ قارئین کرام نے خود مشاہدہ کیا ہوگا (جو راقم السطور نے کئی مرتبہ کیا ہے) کہ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو دولت کے اعتبار سے کروڑ پتی ہیں۔ لیکن صحت کا یہ حال ہے کہ روٹی کے پاپڑ مونگ کی دال کے پانی سے' صرف ایک وقت کھانے کی اجازت ڈاکٹر دیتا ہے۔ اور طرح طرح کی دوائیں استعمال کرنے پر یہ معمولی غذا ہضم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ دماغ سارا روپے کمانے پر لگا ہوا ہے اس لئے صحت بحال نہیں ہوتی اور فکر اور تردد کی وجہ سے نظام ہضم صحیح کام نہیں کرتا۔ ہر چیز کھانے کو ترستے ہیں' لیکن جنون زر پرستی مزید ہوس پیدا کرتا جاتا ہے۔

دوسرا نقص قرآن کریم نے فرمایا کہ سود سے مجموعی حیثیت سے قوم کی آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ فرمایا لا تاکلوا الربوٰ اضعافا مضعفۃ ۳/۱۳۰۔ اس کے عام معنی تو یہی کر دیئے جاتے ہیں کہ سود در سود یعنی سود مرکب نہ کھاؤ۔ لیکن امام راغب نے مفردات میں کئی حوالہ جات دے کر

ثابت کیا ہے کہ مضاعفۃ دراصل ضَـــــعْف سے ہے ضَـعْف سے نہیں' اس لئے آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ ربٰو جسے تم سمجھ رہے ہو کہ وہ اپنے روپے کو بڑھاتا ہے۔ بڑھاتا نہیں' بلکہ درحقیقت کم کرتا ہے۔ سود سے معاشرہ کی دولت کم ہوتی ہے اور سود خوار کی انسانی صلاحیتوں میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ربٰو سے قومی دولت کم ہوتی ہے۔ کمزوریوں پر کمزوریاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

(۳) سود سے روپے کی گردش نہیں رہتی بلکہ روپیہ سمٹ کر چند ہاتھوں میں رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس فعل کی شدید مذمت فرمائی ہے کہ روپیہ چند ہاتھوں میں منجمد ہو جائے۔ فرمایا کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم ۵۹/۷' تاکہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے اندر ہی گھومتا نہ رہے۔ قرآن کریم نے معاشیات کا بہت اہم اصول صرف چار لفظوں میں بیان کردیا۔ معاشرہ کا فساد اسی سے ہوتا ہے کہ دولت ایک خاص اوپر کے طبقہ میں گردش کرتی رہے۔۔ قرآن کریم کی رو سے نہ کسی کے پاس فاضلہ دولت رہنی چاہئے اور نہ دولت ایک خاص حلقہ میں گردش کرتی رہے۔ بلکہ اسے رفاہ عامہ کے لئے کھلا رکھنا چاہئے۔

(۴) ایک اور حقیقت بعنوان عیب جو قرآن کریم نے واضح فرمائی ہے ومن عاد فاولئک اصحاب النار۔ (۲/۲۷۵) یعنی جو لوگ پھر وہی کام کریں یعنی سود سے باز نہ آئیں تو وہ ضرور آگ میں پڑنے والے ہیں (یعنی اصحاب النار ہیں) نائرہ کے معنی عداوت' فتنے' اور بغض کے ہیں کیونکہ عداوت اور بغض بھی ایک اندرونی آگ ہے۔ نار القوم کے معنی ہیں قوم نے شکست کھائی (محیط المحیط) اس سے عذاب النار کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی انسانی اعمال کے وہ تباہ کن نتائج جن سے متاع حیات جل کے راکھ کا ڈھیر ہو جائے۔ اس میں اس دنیا کی تباہی بھی شامل ہے اور اس کے بعد کی زندگی کی بربادی بھی۔ اصحاب النار وہ لوگ ہیں جو خوف وحزن کے عذاب میں مبتلا ہوں ۲/۳۸' قرآن کریم نے کہا ہے کہ ابلیس کی تخلیق نار سے ہوئی ہے ۵۸/۷۶' اس لئے جہاں نار سے بچنے کی تاکید ہے اس کے معنی ابلیسی روش سے بچنا ہے ابلیس تخریبی قوت کا مظہر ہے اسی لئے عذاب النار تخریبی اعمال کے تباہ کن نتائج کا نام ہے جس سے انسان کی تمدنی' معاشرتی' زندگی کا نقشہ بھی بگڑ جاتا ہے اور اس کی اپنی ذات کی صلاحیتیں بھی جھلس جاتی ہیں۔ اس طرح اس کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جاتی ہیں۔ درحقیقت لمبی لمبی لڑائیاں جو قوموں کو پیش آتی ہیں جو لاکھوں عورتوں کو بیوہ اور لاکھوں بچوں کو یتیم بنا دیتی ہیں وہ جب ہی جاری رہ سکتی ہیں جب کہ سود کے ذریعے مالی حالت کو قائم رکھا جائے۔ پہلی جنگ عظیم میں سات کروڑ روپیہ یومیہ صرف انگریزی گورنمنٹ کا خرچ ہوتا تھا' اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ جرمنی کا خرچ ہوتا تھا۔ اگر سود کا دروازہ کھلا ہوا نہ ہوتا' تو دونوں حکومتیں یہ خرچ ایک سال بھی برداشت نہ کرسکتیں اور ان کا سارا اندوختہ جلد ختم ہو جاتا۔ لیکن یہ دونوں حکومتیں سود کے ذریعے کئی سال تک جنگ چلاتی رہیں۔ سود لڑائی کا ایک بڑا سبب ہے اور لڑائی کے دوران دونوں متحارب گروہ آگ کی زندگی بسر کرتے ہیں یہی مثال قرآن کریم نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی ہے کہ سود لینے والے آگ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام جس تمدن کو قائم کرنا چاہتا ہے اس کی بنیاد دوسروں سے نیک سلوک کرنے اور غرباء کی فلاح پر رکھی گئی ہے۔ لیکن سود کا کاروبار کرنے والے حسن سلوک کو جانتے ہی نہیں صرف دولت کا اضافہ ان کے مدنظر ہوتا ہے خواہ دوسروں کا گلا گھونٹ کر کیا جائے۔ چونکہ اس ذریعے سے دوسروں سے نیک سلوک کرنے اور غرباء کو ترقی دینے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جنگوں کا دروازہ کھل جاتا ہے اس لئے اسلام نے اس کی کلی طور پر ممانعت فرما دی ہے۔

ربٰو کے متعلق مندرجہ بالا چار عیوب قرآن کریم نے آیت کے ایک ہی حصہ میں واضح فرما دیئے ہیں اور پوری شدت سے ربٰو کی حد درجہ ممانعت اور حرمت جاری فرما دی۔ اگر غور کیا جائے تو اسی آیت کریمہ میں قرآن کریم نے ربٰو کی تعریف Definition صرف چار الفاظ میں بیان فرما دی۔ فرمایا

وان تبتم فلکم روس اموالکم
اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے راس المال ہے۔

قرآن کریم کی رو سے ربٰو کے معنی ہیں اصل زر سے زائد کچھ لینا۔ یہ ایک جامع اصول ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ہمارے ہاں اس سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ اس سے صرف رقم یعنی نقد روپے پر زیادہ لینا حرام ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ قرآن کریم کی تو پوری عمارت ہی اس بنیاد پر اٹھتی ہے کہ معاوضہ محنت کا لیا جائے اور روپے پر روپے کا اضافہ حرام ہے۔ انسان صرف اپنی محنت کے معاوضے کا حقدار ہے' سرمایہ کا معاوضہ طلب نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن روپے کے اکتساب میں جس معاملہ میں بھی روپیہ بغیر محنت کے حاصل ہو وہ ربٰو ہے۔ اس تعریف definition میں جاگیرداری' ملوکیت' سرمایہ داری' مخابرہ' مضاربت' پیشوائیت سب شامل ہو جاتی ہیں۔ موجودہ صورت حال میں غور و فکر کرتے وقت یہی دشواری پیش آتی ہے کہ اگر قرآن کریم کی تعریف پر عمل کیا جائے تو یہ تمام ادارے سود کی حدود میں آجاتے ہیں ان کو جاری رکھنے کا کوئی جواز قرآن کریم سے نہیں تھا۔ لیکن دوسری طرف ہمارے فقہی قوانین ہیں جنہوں نے ان کو جائز قرار دیا ہوا ہے اور ان کی حاصل کردہ آمدنی کو شیر مادر کی طرح حلال قرار دیتے ہیں۔ اس صورت میں یا تو قرآن کریم کی تعریف کو ترک کرنا پڑتا ہے' یا دور ملوکیت کے قوانین کو قرآن کریم کے خلاف قرار دے کر ترک کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے اس آیت میں صدقہ اور ربٰو کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا ہے۔ یمحق اللہ الربٰو ویربی الصدقات ۲/۲۷۶۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں صدقات کو ربٰو کی اور ربٰو کو صدقات کی ضد بتایا گیا ہے۔ آیت نمبر ۲/۲۷۱ میں صدقات کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ یکفر عنکم من سیاتکم' صدقہ تمہاری بدحالیاں دور کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ربٰو (سود) سے معاشرہ میں معاشی بدحالیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے سود کی بجائے صدقات کا نظام قائم کرنے کا حکم دیا ہے کہ صدقات کا اجتماعی نظم و نسق قائم کیا جائے۔ قرآن کریم کی رو سے صدقات اپنے اپنے طور پر انفرادی طریقہ پر صرف نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے نظام کے مرکز کے پاس جمع کئے جاتے ہیں۔ اس وقت کے مرکزی نظام (یعنی حضور نبی کریمؐ) سے کہا گیا کہ ان سے صدقات خود وصول فرماؤ ۹/۱۰۳) اور مومنین کو تاکید کی گئی کہ تم جو کچھ اجتماعی مفاد کی خاطر دو گے' اس سے تمہاری صرف حفاظت ہی نہیں ہو گی بلکہ مزید نشوونما بھی ہوتی جائے گی ۹۲/۱۸۔

قرآن کریم کی اصطلاحات

قرآن کریم نے اپنی اصطلاحات خود وضع کیں اور ان کا مفہوم خود متعین اور واضح کر کے' ان کو استعمال کیا ہے۔ نظام' قانون' معاشرہ یہ سب عربی زبان کے الفاظ ہیں' لیکن قرآن کریم نے ان کو استعمال نہیں کیا بلکہ ان کی جگہ اپنی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اسی طرح صلوٰۃ' زکوٰۃ' صدقہ' حج' کے الفاظ عربی زبان کے ہیں لیکن قرآن کریم نے ان کو اپنی اصطلاحات کے طور پر نئے معانی پہنا کر ان کو استعمال کیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے اللہ اور رسول کے یکجا الفاظ بار بار استعمال کئے ہیں جو اس کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ قرآن کریم نے اس کو اسلامی نظام کی مرکزی اتھارٹی یا اسلامی نظام کا حاکم اعلیٰ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ چونکہ حضورؐ یہ قرآنی نظام حکومت خود قائم فرمایا تھا۔ اس لئے اپنے دور میں حضورؐ خود اس کی مرکزی اتھارٹی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام جس کو حضورؐ نے اس زمین پر عملاً متشکل کر کے دکھایا تھا' اس نظام کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی۔ چنانچہ آیات نمبر ۳/۳۲' ۴/۶۲' ۴/۷۹' اور دیگر بے شمار آیات میں قرآن کریم نے اس کو اسی معانی میں استعمال کیا ہے' چونکہ نظام حضورؐ کے بعد بھی جاری رہنا تھا' اس لئے آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی۔ اسی طرح جس جگہ بھی وہ نظام قائم ہو گیا اس کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی۔ اسی طرح جس جگہ بھی وہ نظام

ہو گیا اس کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہو گی۔ اللہ اور رسول کی اطاعت انفرادی طور پر نہیں ہو سکتی وہ اجتماعی طور پر اسی نظام کی معرفت ہو سکتی ہے۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے جس سے قرآن فہمی کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے اللہ اور رسول کے الفاظ اسلامی ہیئت اجتماعیہ کے لئے استعمال کئے ہیں۔ مندرجہ صدر آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم سود لینا بند نہیں کرتے تو اللہ و رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ ربٰو کو ترک نہیں کرتے وہ اسلامی ہیئت اجتماعیہ سے بغاوت کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے اسلامی نظام اور ربٰو کا نظام بالکل دو متضاد نظام ہیں جو ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ربٰو سود کا نام نہیں ہے' یہ بنیاد ہے اس نظام کی جو قرآن کے معاشی نظام کی ضد ہے۔ قرآنی نظام میں ہر شخص زیادہ سے زیادہ محنت کر کے' کم سے کم اپنے پاس رکھ کے زیادہ سے زیادہ دوسروں کو دیتا ہے۔ ربٰو کے نظام میں ہر شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ محنت دوسرے لوگ کریں اور اسے بغیر محنت کے زیادہ سے زیادہ ملتا جائے۔ یہ دونوں نظام اس طرح ایک دوسرے کی ضد' نقیض اور ایک دوسرے سے متبائن ہیں کہ قرآن کریم نے ربٰو کے نظام کو اللہ اور رسول کے خلاف' یعنی اسلامی نظام کے خلاف بغاوت قرار دیا ہے۔ اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ بالکل ناممکن ہے کہ ہمارا نظام تو غیر قرآنی رہے اور ہم اس کے اندر رہتے ہوئے ربٰو کے مسئلہ کا کوئی حل تلاش کر لیں اس قسم کی کوشش ہم نے اس سے پیشتر اپنے جاگیرداری اور سرمایہ داری دور (یعنی عہد بنی عباس) میں کی تو اسکے نتیجہ میں مضاربت' مخابرت' بٹائی وغیرہ سب جائز قرار دے دیئے گئے۔ اگر ہم نے اب اس دور میں سرمایہ دارانہ نظام کو بحالہ قائم رکھتے ہوئے اس میں سود کو ختم کرنے کی کوشش کی تو اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ قرآن کے معاشی نظام میں تو سود خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور غیر قرآنی نظام میں یہ ختم نہیں ہو سکتا۔ صرف اسکی حقیقت اور نام بدل سکتے ہیں۔

قرآن کریم کے مدنظر جو پروگرام ہے اور جو معاشرہ قائم کرنا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس معاشرے کے تمام افراد کے سامنے چند بنیادی تصورات پیش کئے جائیں جن پر وہ دل کی پوری گہرائیوں سے متفق ہوں اور جسے قرآن کریم کی اصطلاح میں ایمان کہا جاتا ہے۔ وہ ان تصورات پر ایمان لائیں یعنی انہیں بالکل درست تسلیم کریں۔

(۱) ان میں پہلا تصور یہ ہے کہ عقل انسانی اپنے مسائل حل کرنے سے قاصر ہے اور انسان کی صحیح راہنمائی کے لئے وحی الٰہی ضروری ہے۔ انسان وحی کی راہنمائی کے بغیر صحیح معاشرہ قائم نہیں کر سکتا۔ جن مستقل اقدار پر صحیح معاشرہ کی بنیاد ہوتی ہے'' عقل انسانی وہ مستقل اقدار متعین نہیں کر سکتی۔ یہ وحی الٰہی کی ہی مستقل اقدار فراہم کر سکتی ہے۔ انسان ہزار کوشش کر لے' بغیر وحی الٰہی کی راہنمائی کے متوازن معاشرہ قائم نہیں کر سکتا۔ اس مسئلہ پر قرآن کریم نے بہت روشنی ڈالی ہے اور معمولی مطالعہ اور محنت سے اس معاملہ میں بہت مواد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

دوسری حقیقت جس پر ایمان لانا ضروری ہے' یہ ہے کہ انسان صرف جسم کا ہی نام نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کوئی دوسری شے بھی ہے جو اس کو انسان بناتی ہے اور اس کا نام فلسفہ کی اصطلاح میں Psyche یا Ego ہے اور قرآن کریم نے اس کا نام ''نفس'' قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے جسم کی پرورش کھانے سے ہوتی ہے اور اس 'نفس' کی پرورش دوسروں کو دینے سے ہوتی ہے۔ جو شخص جس قدر دوسروں کو دے گا' اسی قدر اس کے نفس کی پرورش ہوتی چلی جائے گی۔ قرآن کریم کا اصول یہ ہے الذی یوتی مالہ یتزکی جو اپنا مال دوسروں پر صرف کرے گا اس کا نفس اسی قدر تزکیہ حاصل کرے گا۔ یہ تزکیہ ہی انسانی زندگی کا مقصود ہے اور اسی پر اس کی سعادت اور نجات اخروی کا انحصار ہے اور یہی ایک جذبہ محرکہ ہو گا جو انسانوں کو زیادہ سے زیادہ کمانے اور دوسروں پر صرف کرنے کے لئے آمادہ کرے گا۔ یہی وہ Incentive ہے جس کی کمی کمیونزم اور سوشلزم میں تھی اور وہ اس کمی کو کسی طرح بھی پورا نہیں کر سکے۔ جذبہ محرکہ سے ہی یہ تربیت ہوتی ہے کہ پھر انسان اپنا مال و دولت دوسروں پر صرف کرنے لگتا ہے۔ یوثرون علی انفسھم ولو

کان بھم خصاصہ۔ وہ لوگ اپنا مال دوسروں پر صرف کرتے ہیں حالانکہ انہیں کتنی ہی تنگی کیوں نہ ہو پھر تیسری حقیقت جس پر ایمان لانا ضروری ہوگا یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ جس قدر مال بھی انسان کے پاس ہے وہ دوسروں کی منفعت کے لئے عام کردے یسئلونک ماذا ینفقون قل العفوا۔ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز صرف کریں۔ آپ کہہ دیں کہ ضرورت سے زیادہ جو کچھ بھی ہے وہ دوسروں کی منفعت کے لئے کھلا رکھیں اور مال کو مقصود بالذات نہ بنائیں بلکہ صرف ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ سمجھیں اس کے بعد جو کچھ مال و دولت باقی ہو وہ دوسروں کے لئے کھلا رکھیں۔

چوتھی بات جو پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وسائل پیداوار عنایت ہوئے ہیں ان پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہوسکتی وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتے ان سے ہر شخص متمتع ہوسکتا ہے اور دوسروں کے لئے ان کے استعمال پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔ وہ ساری انسانیت کے نفع کے لئے برابر ہیں۔ سواء للسائلین۔

پانچویں بات جو اسلامی نظام کے ہر فرد کو پیش نظر رکھنی ہوگی یہ ہے کہ دولت کا جمع کرنا معاشرہ کو غیر متوازن بناتا ہے' اور اسلامی معاشرہ میں Surplus money کا کوئی جواز نہیں ہے۔

یہ ہیں وہ بنیادی حقائق جن پر قرآن کریم اپنے پروگرام کے مطابق معاشرہ استوار کرتا ہے۔ یہی بنیادیں اس کے لئے قوت محرکہ بن جاتی ہیں انہیں کی قوت پر وہ اپنے معاشرہ کی عمارت بلند کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ محض نظری مسائل نہیں ہوتے بلکہ ان کو عملی طور پر متشکل کرنے سے ان کے نتائج برآمد ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔ ان میں نہ کسی قسم کے دھوکہ کا امکان ہے نہ کسی قسم کے نقصان کا اور یہی نتائج اس کے پرکھنے کا معیار ہیں کہ اصل قرآنی معاشرہ متشکل ہوگیا ہے یا نہیں۔ اصل مقصد انسانی ذات کی نشوونما اور ارتقاء ہے جو صرف اس معاشرہ میں ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس میں ہر فرد اپنی محنت کی کمائی دوسروں پر صرف کرتا ہے۔ اس مذکورہ مثالی معاشرہ میں ربوٰ کے متعلق قرآن کریم اپنے قوانین بیان فرماتا ہے کہ اس اسلامی معاشرہ میں ربوٰ حرام ہے اور بدلہ صرف محنت کا ہے جبکہ صدقات' صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے قوانین اس میں جاری ہوچکے ہوں گے۔ وہ ایک پورا معاشری نظام ہوگا جس میں ربوٰ کے قوانین از خود منطبق ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے برخلاف ایسی صورت میں جب کہ انسانی معاشرہ خود ساختہ قوانین پر متشکل ہو' ملکیت زمین جائز ہو' وسائل پیداوار انسانی ملکیت میں اس طرح ہوں کہ چند افراد نے ان پر اس طرح قبضہ کیا ہو کہ باقی انسانیت ان سے بالکل محروم ہو' ہر شخص زیادہ سے زیادہ کمانے اور کم سے کم خرچ کرنے کی خواہش رکھتا ہو' ایک دوسرے کی دولت پر نہ صرف نظر ہو' بلکہ اس کو ہر طریقہ سے حاصل کرنا مدنظر ہو' ذرائع آمدنی میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہ ہو' ایسے معاشرے میں ربوٰ کے قوانین جاری کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غریب اور مفلس معاشرہ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا جاری کرنا ہے' یا جیسے کرپٹ اور بے ایمان معاشرہ میں اسلام کے قوانین شہادت جاری کرنا ہے۔ درست طریقہ یہی ہے کہ معاشرہ مرفہ الحال ہو اور ہر شخص کو رزق فراہم ہو' تو اس میں چور کی سزا کے لئے ہاتھ کا کاٹنا مناسب ہے۔ اسی طرح باکردار' صالح افراد پر مشتمل معاشرہ میں قرآنی قوانین شہادت جاری کرنا درست ہے۔ بالکل اسی طرح قرآنی معاشرہ میں ہی ربوٰ کے قوانین کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ ہمارے موجودہ معاشرہ میں ان کا اطلاق بالکل غیر متعلق Irrelevant ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے' نظام حیات ایک اکائی ہوتا ہے' اس میں کتر بیونت یا Patch-Work سے کام نہیں چلتا اور جو کوئی ایسا کرے گا قرآن کریم کے مطابق وہ اس کتر بیونت کی وجہ سے اس دنیا میں بھی گھاٹے میں رہے گا اور آخرت میں بھی۔ اس کے لئے پورے معاشرے میں انقلاب لانا ضروری ہے۔ پہلے قرآن کریم کا نظام جاری کیا جائے پھر اس میں ربوٰ کے قوانین جاری ہوں۔

وہ بدلنا چاہتے ہیں نظم میخانہ تمام
آپ نے بدلا ہے لیکن صرف میخانہ کا نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد رفیع

پاکستان، منافقت اور ہم

''ایسے لوگوں کو ہم اگر زمین میں اقتدار بخشتے ہیں تو وہ نظام صلوٰۃ وزکوٰۃ قائم کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے'' (۲۲/۴۱)

اس آیت کو پڑھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ یہ ذکر تو کسی طرح بھی ہمارا نہیں ہوسکتا۔ ہم نے تو اس وطن عزیز میں آج تک اللہ کے قوانین واقدار کے مطابق زندگی بسر بھی نہیں کی۔ انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ہم اس قرآنی پیمانے میں ایک دھندلایا ہوا چاند بھی نہیں ہیں۔ آیئے آج ہم اپنے وطن کا جائزہ لیں جس کو دنیا 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' بھی کہتی ہے، یعنی اس ملک کے نام کے ساتھ 'اللہ' اور 'اسلام' دونوں منسلک ہیں مگر نظام نہ کبھی اسلامی رہا اور نہ اللہ کے قوانین رائج ہوئے۔

میرے نزدیک ہر جرم وگناہ کی بنیاد منافقت ہے۔ سورۃ بقرہ کے ابتدا میں تین جماعتوں کا ذکر ہے۔ ایک کھلے مومن، دوسرے کھلے کافر اور تیسرے وہ لوگ جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ہیں لیکن وہ مومن ہوتے نہیں۔ یہ لوگ اللہ اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں (۹-۲/۸)۔ پاکستان میں ۱۹۴۸ء سے ایسے ہی لوگوں کا غلبہ رہا ہے اور نتیجتاً پوری قوم عذاب میں مبتلا ہے۔ ہم خود ایسے لوگوں کو برسر اقتدار لاتے ہیں اور پھر رونے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان منافقوں کی گفتگو بڑی پرکشش ہوتی ہے اور سحر انگیز بھی۔ یہ لوگ ملک میں فساد کی جڑ ہیں (۹/۸)، (۲/۲۰۴)۔ اس کے برعکس ایک اسلامی معاشرہ اپنی مستقل اقدار کو اپنائے ہوئے پوری دنیا کے لئے مشعل راہ ہوتا ہے۔ ایسے معاشرے میں نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے نہ حزن (۲/۳۸)۔

اس حقیقت سے تو آپ سب واقف ہیں کہ پاکستان مسلمانان ہند کے لئے بنایا گیا تھا تاکہ یہاں ایک ''الٰہ'' کی حکومت ہوگی اور اسی رب کا قانون رائج ہوگا جس کے مطابق سب شہریوں کی عزت، جان ومال محفوظ ہوگی اور وہ امن چین کی زندگی گزاریں گے۔ یعنی سارے قوانین اللہ کی کتاب، قرآن کے ہوں گے۔ نبی کریمؐ سے کہا گیا ''یہ تمہاری جماعت ایک ہی برادری ہے اور میں تم سب کا رب ہوں، سو تم میری محکومیت اختیار کرو'' (۲۱/۹۳)۔

ہر وہ قدر واصول جس کا پرچار قائداعظم نے زندگی بھر کیا، یہاں اپنائے ہی نہیں گئے۔ یہ منافقت آج تک چلی آرہی ہے۔ اے جی ایس جعفری نے ان گھمبیر اور افسوسناک حقائق کی نشاندہی اپنی کتاب Jinnah Betrayed میں کی ہے۔

کرکٹ کا ورلڈ کپ ہم نے ۱۹۹۲ء میں جیتا اور پچھلے سال دوسرے نمبر پر رہے مگر بے ایمانی، بددیانتی اور اخلاقی پستی میں ہمارا نام ہر سال صف اول کے ممالک میں ہوتا ہے۔ یہی نہیں جرائم، ظلم، غربت، جہالت، مذہبی نفرتوں، عورتوں پر جبر میں بھی ہم اگلی صف میں کھڑے ہیں۔

سب سے پہلی منافقت یہاں کے سیاسی نظام کی

تشکیل تھی جس کی بنیاد اللہ کے قوانین کے بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے جمہوری نظام کو قرار دیا گیا جس میں اقتدار اعلیٰ یعنی قانون سازی کا لامحدود اور غیر مشروط حق عوام کو حاصل ہوتا ہے اور عوام کا یہ حق ان کے نمائندوں کی اکثریت کی وساطت سے بروئے کار آتا ہے۔ یہ نظام اس مفروضہ پر قائم ہے کہ چند چنے ہوئے نمائندگان جو قانون بناتے ہیں وہ تمام افراد کا متفقہ فیصلہ ہوتا ہے اور ہر حال میں حق وصداقت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ نظریہ مغرب کی ایجاد ہے اور کئی مغربی مفکرین نے اس نظریئے پر کڑی تنقید بھی کی ہے۔ مشہور فرانسیسی مفکر رینے گینوں (عبدالواحد یحییٰ) کے مطابق جمہوریت میں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اکثریت ایک ایسی شے ہے جسے نہایت آسانی سے ایک خاص رخ پر لگایا بھی جا سکتا ہے اور بدلا بھی جا سکتا ہے۔ (Crisis of the modern world) قرآن کا اعلان ہے کہ ''جو بھی اللہ کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے۔ انہی کو کافر کہا جاتا ہے'' (۵/۴۴)۔ ''آپ حکومت قائم کیجئے لوگوں پر اللہ کی کتاب کے مطابق'' (۵/۴۸)۔ یہ قوانین غیر متبدل اور اٹل ہوتے ہیں مگر بے صبرا انسان جلدی فائدہ کو اپنانے کے لئے ہر آنے والی گھڑی کو تاریک کر دیتا ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک تو ہر انسانی طرز حکومت ملوکیت ہے:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

آج پھر دنیا کا ہم پر دباؤ ہے کہ جمہوریت کو اپنایا جائے کیونکہ اس نظام میں مغرب والوں کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اربوں ڈالروں کی امداد کا بیشتر حصہ تو یہاں خیانت کی نذر ہو جاتا ہے اور ہمارے لیڈران اسے مغربی بینکوں میں اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیتے ہیں۔ ڈالروں کی واپسی بھی ہو جاتی ہے اور پاکستان جیسے ممالک غلام بھی بنے رہتے ہیں۔

اگر تحریک پاکستان پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ منافقت اور سیاسی اجارہ داری کا پہلا شکار مولوی فضل الحق تھے جنہوں نے ۱۹۴۰ء کی مشہور قرارداد پاکستان پیش کی تھی۔ پاکستان بنتے ہی انہیں غدار اور بھارت کا ایجنٹ قرار دیا گیا مگر کچھ ہی دنوں کے بعد آپ وزیر داخلہ کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ سیاست کے کھیل میں اجارہ داری تو شروع سے وڈیروں، جاگیرداروں اور سرداروں کی رہی ہے۔ یہی لوگ قانون بناتے رہے اور توڑتے بھی اور آج کے ملکی قوانین کو اپنے گھر کی لونڈی سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ آج بھی قرون وسطیٰ کے دور میں رہتے ہیں۔ ان کی پرائیویٹ جیلیں اور عقوبت خانے ہاریوں اور غریبوں سے بھرے رہتے ہیں، عورتوں کو عزت کے نام پر اپنے ظلم کا شکار بنانا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ حکومت کے قوانین کو جوتی کی نوک پر رکھ کر آپس کے جھگڑے اپنی روایتی قتل وغارت گری سے طے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ان کے اس نظام میں عدل کا کہیں گزر نہیں جبکہ یہ سب کم سے کم نام کے تو مسلمان ہیں۔ قرآن کا حکم ہے کہ ''کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ ہر حال میں عدل کرو، یہ روش تقویٰ سے زیادہ قریب ہے'' (۵/۸)۔ اللہ عدل کا حکم دیتا ہے (۱۶/۹۰) ''تم ایک بہترین قوم ہو جسے تمام نوع انسان کی بھلائی کے لئے باہر لایا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ ہے کہ تم سب کو قانون خداوندی کے مطابق چلنے کا حکم دو اور اس کی خلاف ورزی سے روکو'' (۳/۱۰۹)۔

پاکستان کی حدود میں ہوتے ہوئے بھی صوبہ سرحد کا ایک بڑا حصہ 'علاقہ غیر' کہلاتا ہے اور FATA کے ان علاقوں میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قوانین کی کوئی حیثیت نہیں جبکہ انہی علاقوں کے لیڈر قومی اسمبلی میں بیٹھ کر قانون سازی میں حصہ لیتے ہیں۔ جب ایک ہی ملک میں دو مختلف قسم کے قوانین رائج ہوں گے تو افراتفری کا بول بالا ہوگا۔ اس لئے قرآن کہتا ہے ''کیا مختلف اقتدار بہتر ہیں یا ایک اللہ کا اقتدار جو بڑی قوتوں کا مالک ہے'' (۱۲/۳۹) قرآن کی رو سے توحید کے معنی وحدت اختیار کے بھی ہیں۔

ہمارے معاشرے میں علماء، پیر، فقیر، مشائخ اور فرقوں کے سرکردہ سربراہوں کا بڑا اثر رسوخ رہا ہے۔ آزادی

سے لیکر آج تک ساری حکومتیں ان کے آگے بے بس ہی رہی ہیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے دائرے میں آہنی گرفت رکھتے ہیں اور چناؤ کے دوران ووٹوں کا سرچشمہ ان کے جیبوں سے ہوکر آتا ہے۔ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہتے ہیں۔ یہ لوگ کہنے کو تو اسلام کے علمبردار ہیں مگر اسلام تو یکجہتی کا سبق دیتا ہے اور فرقوں' گروہوں کو حرام۔ یہ نام نہاد نبیؐ کے پرستار سورہ انعام کی اس آیت کو کیوں بھول جاتے ہیں جس میں نبیؐ سے کہا گیا ہے وہ ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھے جو دین میں فرقے بناتے ہیں' گروہ بناتے ہیں اور تفرقہ ڈالتے ہیں (۶/۱۵۹)۔ فرقوں کے باہمی ضد نے امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور آج پاکستان میں ایک اسلامی قانون کا اجراء ممکن نظر نہیں آتا۔ قرآن میں آیا ہے ''ہم نے انہیں اس معاملہ (دین) کے متعلق واضح باتیں بتا دی تھیں لیکن انہوں نے وحی آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کی وجہ محض ان کی باہمی ضد تھی'' (۱۷/۴۸) پاکستان میں تو ہر فرقہ کی' ہتھیار سے لیس اپنی ایک فوج ہے۔

جب اسلامی نظام کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے تو انسانی ہمدردی نام کی چیز بھی ناپید ہے۔ پنجاب کی قانون ساز اسمبلی سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک خاتون کو کمیشن برائے انسانی حقوق پاکستان کے دفتر میں وکیلوں کی موجودگی میں اس کی ماں نے صرف اسلئے قتل کروا دیا کیونکہ وہ زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتی تھی اور طلاق کا حق جو اسے اللہ نے دیا ہے استعمال کرنا چاہتی تھی۔ قرآن تو کہتا ہے ''تم عورتوں کے زبردستی مالک نہیں بن سکتے'' (۴/۱۹)۔ افسوس تو اس بات کا ہے اس گھناؤنے جرم و گناہ کے حق میں دلائل دیئے گئے اور پوری قوم بے حسی کا شکار بنی رہی۔ سندھ میں 'کاروکاری' کی روایتی وارداتوں میں مظلوم عورتوں کا قتل تو اب معمول بن چکا ہے۔ کہاں کا اسلام اور کہاں کے قرآنی قوانین۔ عزیز صدیقی نے 'قاتلوں کا تحفظ' کے عنوان سے ('آواز' جنوری ۲۰۰۰ء) لکھا ہے کہ پچھلی حکومت میں سینیٹر اقبال حیدر نے پانچ ماہ کے دوران درجن مرتبہ کوشش کی کہ سینیٹ میں ایک ایسی قرارداد بحث کے لئے پیش کریں جس میں عورتوں کو بدکرداری کے شبہ میں یا اپنی مرضی سے شادی کرنے کے فیصلہ کی پاداش میں قتل کرنے کی ظالمانہ رسم کی مذمت کی جا سکے۔ ہر مرتبہ ان کی قرارداد کو یا تو حکمراں جماعت اور صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے سینیٹروں کے ہتھکنڈوں کا شکار ہونا پڑا یا چیئرمین سینیٹ نے کسی بہانے سے اسے مؤخر کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سینیٹر اقبال حیدر قرارداد کے مسودے پر ہونے والے ہر اعتراض کے مطابق اس میں ترمیم کرتے رہے۔ سینیٹ میں پیش کیا جانے والا آخری مسودہ ان نکات تک محدود کر دیا گیا تھا جن پر بظاہر سب متفق تھے۔ ۲۴ سینیٹروں نے جن میں حکمراں جماعت کے قائد ایوان راجہ ظفر الحق اور ۔ یر اطلاعات مشاہد حسین بھی شامل تھے اس پر پیشگی دستخط کر دیئے تھے۔ اس کے باوجود اس قرارداد کے سینیٹ میں پیش کیے جانے پر جو ہنگامہ ہوا اس کی مثال نہیں ملتی۔ صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے سینیٹروں کی حمایت میں باقی سینیٹر بھی متحد ہو گئے۔ اس قرارداد کو سب نے ''خرافات'' کہا۔ چیئرمین وسیم سجاد نے قرارداد کو بحث کے لئے منظور کرنے یا نہ کرنے پر ووٹنگ کرانے کا فیصلہ کیا تو چار سینیٹروں کے علاوہ ایوان نے اس پر بحث کے خلاف رائے دی۔ اس اختلاف کی صورت میں اگر ہمارے لیڈران قرآن کی طرف رجوع کرتے تو فیصلہ حق پر مبنی ہوتا کیونکہ 'قرآن ہی حق ہے اور باقی سب گمراہی' (۱۰/۳۲)۔ جذبات اور قبائلی روایات کو اللہ کے قوانین پر ترجیح دی گئی۔ 'وہ لوگ جو بات کو بغور سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں وہی تو ہیں جن کی اللہ نے ہدایت فرمائی اور وہی ہیں صاحبان عقل و دانش' (۱۸/۳۹)۔ 'بے شک وہ (شیاطین) تو اس قرآن کی سماعت سے بھی دور اور محروم رکھے گئے' (۲۶/۲۱۲) کیونکہ وہ نہ تو اس کے لائق تھے اور نہ ہی اس کی استطاعت رکھتے تھے' (۲۶/۲۱۱)۔ سینیٹر اجمل خٹک کا کہنا تھا کہ یہ ہمارے ناموس کا مسئلہ ہے جس کی بنیاد صدیوں پرانی روایات ہیں۔ نبی کریمؐ کے دور میں عورتوں کا تو یہ مقام تھا کہ وہ اپنے طلاق کے مسائل

کے سلسلہ میں آپ سے بحث وتکرار تک کرتی تھیں (۱/ ۵۸) مگر ہماری اسمبلیوں کے تقدس کا کیا کہئے کہ مظلوم عورتوں کے اہم ترین مسئلہ کو بھی زیر بحث نہیں لاتے۔ دور جہالت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینا' ہندو معاشرے میں 'ستی' کی رسم میں بیواؤں کا شوہروں کی چتاؤں پر جلا دیا جانا' ہمارے یہاں جائداد میں ان کا حق نہ دینا' ان کی رائے لئے بغیر شادی کر دینا' قرآن سے شادی کر دینا' تعلیم سے محروم رکھنا' گھر میں قید رکھنا' لڑکے پیدا نہ ہونے کی صورت میں انہیں قصوروار ٹھہرانا' یہ سارے مظالم باقاعدگی سے آج تک ہمارے ملک میں جاری ہیں اور کوئی بھی انہیں توہین رسالت وتوہین قرآن نہیں کہتا۔ قیامت کے دن جب انہی لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کس جرم کی پاداش میں عورتوں کو قتل کیا (۹۔۸/۸۱) تو کیا جواب دیں گے۔

یہ سب کچھ عزت' نام اور مردانگی کے نام پر ہو رہا ہے جبکہ اللہ کے نزدیک مردانگی کا تعلق لمبی مونچھوں' گرجدار آواز' اونچی پگ' اکڑی ہوئی گردن اور کمزور پر ظلم کرنے کی طاقت سے نہیں بلکہ ''مرد وہ ہے جسے تجارت یا خرید وفروخت' اللہ کے ذکر سے اور نظام صلوٰۃ قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔ وہ (مرد) ڈرتا ہے اس دن سے جس میں دل اور آنکھیں پلٹ دی جائیں گی (اللہ کے قانون مکافات عمل کی رو سے)'' (۲۴/۳۷)۔

سکھر کے دارالامان میں پناہ لینے والی ایک لڑکی کو وہاں کی انچارج نے ۵۰ ہزار روپے کے عوض مولانا عبدالغفور کو بیچنے کا سودا کیا (ڈان ۱۷ جولائی ۲۰۰۰ء) مگر عین وقت پر کام بگڑ گیا اور قانونی چارہ جوئی جاری ہے۔ دو دن بعد کی خبر ہے کہ سانگھڑ میں تقریباً دو سو پٹھانوں نے اسٹیڈیم میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ لوگ کوئٹہ' حیدرآباد اور سندھ کے دوسرے علاقوں سے اس لئے آئے تھے کہ ان کی ایک لڑکی نے اپنی پسند سے ایک سندھی جوان سے نکاح کر لیا۔ نکاح تو ایک اسلامی میثاق ہے جو لڑکے اور لڑکی کی رضامندی سے عمل میں آتا ہے' مگر اس غیر قرآنی معاشرہ کا کیا کہئے کہ ہر اسلامی اصول جو اپنی روایات یا مزاج کے خلاف ہو رد کر دیا جاتا ہے۔ ۲۱ جولائی کی خبر ہے کہ لڑکی کو زبردستی طلاق دلوا دی گئی۔ چاروں صوبوں کو صرف اسلامی اقدار کی بنا پر ہی یکجا کیا جا سکتا ہے ورنہ ان کی تو شلواروں کے سائز بھی ایک نہیں۔

مذہبی پیشوائیت کی حکومت ''تھیوکریسی'' کے خلاف قائداعظمؒ کی تقریر کو بھی سنسر کر دیا گیا ہے اور یہ کبھی ریڈیو یا ٹی۔وی سے نشر نہیں ہوتی۔ جمہوریت کا پرچار کرنے والے خود جمہوریت کا گلا گھونٹتے رہے۔ غلام محمد نے تو آئین ساز اسمبلی ہی توڑ دی اور پہلی مرتبہ گورنر جنرل اور وزیراعظم دونوں مغربی پاکستان سے ہوئے۔ مشرقی پاکستان سے یہ ایک اور زیادتی تھی۔ اس وقت کے اسپیکر مولوی تمیزالدین خان کو برقعہ پہن کر عدالت میں آنا پڑا ورنہ حراست میں لے لئے جاتے۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کو دو سال بھی نہ چلنے دیا گیا اور ایوب خان نے ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے ذریعے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ایوب خان کو آگے لانے والا یہاں کا صدر اسکندر مرزا تھا جو پھر دوبارہ پاکستان نہ آ سکا۔ ایوب خان کی 'بنیادی جمہوریت' اپنی موت آپ مر گئی اور یحییٰ خان پھر مارشل لاء کے ساتھ پاکستان کا سربراہ بنا۔ ۱۹۷۰ء میں الیکشن ہوئے جو دھاندلی سے پاک تھے مگر ان کے نتائج قبول نہ کرنے کی وجہ سے ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ۱۹۷۳ء کا آئین نافذ کیا گیا اور چند سال بعد مارشل لاء پھر واپس آ گیا۔ تختہ الٹنے سے چند دن پہلے ضیاء الحق نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر حکومت وقت سے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا۔ ضیاء الحق نے قوم سے ۹۰ دن میں الیکشن کرانے کا وعدہ وفا نہ کیا۔ ایک مومن کی خصوصیت ہے کہ وہ وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے۔ ضیاء الحق تو 'امیرالمومنین' تھے اور وعدہ بھی ۱۲ کروڑ عوام سے تھا۔ آگے چل کر ضیاء الحق نے الیکشن کو سرے سے غیر اسلامی قرار دیکر جان چھڑائی۔ چلو چھٹی ہوئی۔ اس کے بعد Non-Party الیکشن کرائے گئے مگر وزیراعظم کی حیثیت کو کبھی تسلیم نہیں کیا گیا۔ بالآخر محمد خان جونیجو کو بھی رخصت کر دیا گیا۔ ضیاء الحق برانڈ کا اسلام پاکستانیوں پر مستقل تھوپا گیا۔ رجم اور بعض دوسرے غیر قرآنی

قوانین سامنے آئے۔ ملاؤں کی عید ہوگئی کیونکہ ان کو ہر طرح سے نوازا گیا۔ شاید اس وجہ سے کہ مذہب کا ٹھیکہ انہی لوگوں نے لے رکھا ہے۔ ٹی وی کے سابقہ ایم ڈی برہان الدین نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جنرل ضیاء نے قرآن کی بعض آیات کو ٹی وی پر نشر کرنے سے روک دیا تھا کیونکہ ان میں انسانی حقوق اور عورتوں کے حقوق کا ذکر ہے۔ اسی دور میں ہر ممبر قومی اسمبلی و سینیٹ کو ایک کروڑ روپے فی کس دیا گیا جبکہ صوبائی اسمبلی کے ممبران کو ۵۰ لاکھ روپے۔ سرکاری طور پر تو رقم عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مختص تھی مگر ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے لیڈران صرف اپنی فلاح پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی نہیں ضیاء الحق نے اپنے چہیتوں کو کروڑوں کے پلاٹ کوڑیوں کے مول دیئے، بغیر ڈیوٹی بڑی گاڑیاں درآمد کرنے کے لائسنس دیئے اربوں کے قرضے نہ صرف معاف کئے گئے بلکہ موصوف نے قوم کو ان لٹیروں کے نام بتانے سے بھی صاف انکار کیا۔ پلاٹ، پرمٹ اور پیسہ کی سیاست پھر ایسی چمکی کہ دنیا میں یہ بات مشہور ہوئی کہ پاکستان کی اسمبلی کو ۱۶۰ کروڑ روپے میں خریدا جا سکتا ہے۔ پلاٹ، پیسہ اور پرمٹ حاصل کرنے والوں کی فہرست خالد کشمیری کی کتاب ''جنرل ضیاء کے سیاسی تضادات'' میں موجود ہے اور تقریباً تمام مشہور ریٹائرڈ جنرل، ایڈمرل، ایر مارشل اور گورنر، صوبائی و قومی اسمبلیوں کے ممبران اور ممتاز سیاستدان اس گھناؤنی منافقت میں شامل رہے ہیں۔

یہ سب کچھ اس پاک زمین پر ہوا جب کہ قرآن کا حکم ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں خواہ اس کے پاس ضابطہ قوانین ہو، خواہ انتظامیہ کی قوت موجود ہو حتیٰ کہ وہ خود نبی بھی کیوں نہ ہو کہ وہ دوسروں سے کہے کہ تم اللہ کے نہیں میرے محکوم بن جاؤ، (۳/۷۸)۔ ایک اسلامی حکومت ذریعہ ہوتی ہے اللہ کی حکمرانی و اقدار کو نافذ کرنے کے لئے۔ قائداعظم کے الفاظ میں ''قرآن کے احکام و اقدار کو نافذ کرنے کی ایک ایجنسی کا نام اسلامی مملکت ہے، فی ذاتہٖ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ذریعہ ہوتی ہے قرآن کے، اللہ کے احکام و قوانین کو نافذ کرنے کا''۔

بے نظیر اور نواز شریف کو متعدد بار اقتدار ملا مگر حق و انصاف کی پاسداری دونوں نے نہیں کی۔ دونوں پر بے انتہا دولت اکٹھی کرنے کے الزامات ہیں۔ ایک کو عدالت نے سزا دے دی ہے اور دوسری ملک سے فرار ہے۔ ان دونوں کے آنے جانے کے دوران غلام مصطفیٰ جتوئی، معین قریشی، بلخ شیر مزاری اور معراج خالد پاکستان کے وزیراعظم رہے۔

آخر یہ جمہوروں کی حکومتیں کب تک پاکستان پر مسلط رہیں گی۔ مداری کی ڈگڈگی کی آواز پر لبیک کہنے والے ہم وطنو اگر ہم اب بھی سوتے رہے تو وقت اتنا آگے نکل جائے گا کہ ہم اس کی دھول کو بھی نہ پا سکیں گے۔

وسعتِ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب
دامنِ گردوں سے ناپیدا ہوں یہ داغِ سحاب
کھینچ کر خنجر کرن کا پھر ہو سرگرمِ ستیز
پھر سکھا تاریکی باطل کو آدابِ گریز
تو سراپا نور ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

اب ایک مرتبہ پھر حکومت بدلی ہے، قوم کو پھر امید ہو چکی ہے کہ شاید پاکستان اپنی ساکھ ایک اسلامی مملکت کے طور پر قائم کر سکے گا۔ اگر حکومتِ وقت نے قرآنی معاشرہ کی راہ میں شروع کے چند قدم بھی اٹھا لئے تو نتیجہ یقیناً مثبت ہوگا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ ہم کب تک اللہ سے رعایت مانگتے رہیں گے، مہلت تو وہ ہمیں بہت دے چکا ہے۔

اب آپ ہی انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ ہم اس وطن کے اہل ہیں یا نہیں؟

کس زباں سے اے گلِ پژمردہ تجھ کو گل کہوں!
کس طرح تجھکو تمنائے دلِ بلبل کہوں
تھی کبھی موجِ صبا گہوارۂ جنباں ترا
نام تھا صحنِ گلستاں میں گلِ خنداں ترا
تیرے احساں کا نسیمِ صبح کو اقرار تھا
باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطار تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ، گوجرانوالہ

پٹھان بچوں کے شب و روز

صبح سے شام تک بچوں کی یہ چھوٹی چھوٹی مخلوق اپنی روزی کے لئے جو بھاگ دوڑ کرتی نظر آتی ہے بظاہر بڑی قابل ستائش اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پانچ سے آٹھ دس سال تک عمر کے ان معصوموں کا تعلق زیادہ تر افغانستان اور صوبہ سرحد سے ہے۔ نائیلون کے چھوٹے چھوٹے توڑے (Bags) کندھوں پر لٹکائے سارا دن کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں سے کاغذ، جسے اپنی زبان میں یہ گتہ بھی کہتے ہیں، اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ شام کو ڈیلروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور اس کے عوض جتنے پیسے ملیں یہ ان کی روزانہ آمدنی کہلاتی ہے۔ جس سے وہ اپنے اور دیگر افراد خانہ کے اخراجات پورے کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ کاغذ کے علاوہ۔ بجلی کی تار۔ خالی بوتلیں نائیلون کی بنی ہوئی ناکارہ اشیاء بھی اگر مل جائیں تو وہ بھی اپنے توڑوں میں ڈال لیتے ہیں۔ لیکن ایک افسوس ناک اور چونکا دینے والا پہلو اس وقت سامنے آتا ہے جب گندگی کے انہی کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں سے یہ بچے ناقابل استعمال خوردنی اشیاء بھی تلاش کر کے کھاتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ چند دنوں کی بات ہے کہ ایسے ہی ایک ڈھیر پر کچے گوشت کے کچھ ٹکڑے دیکھ کر یہی بچے ان پر جھپٹ پڑے اور آناً فاناً اپنے توڑوں (Bags) میں بھر کر چلتے بنے۔ اسی طرح ایک روز چند بچے اپنی جھولی سے نکال کر کچھ کھا رہے تھے۔ دیکھا تو وہ ناقص پیاز کے چھوٹے ٹکڑے تھے جو وہ ساتھ والے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھا لائے تھے۔ پانچ سالہ فوزیہ اور چار سالہ اس کا ننھا سا بھائی آغا گل ہم کبھی نہیں بھلا سکتے جو خدا فراموشوں کی اس دنیا میں دوسروں کی طرف دیکھنے کی بجائے کاغذ اور دیگر اشیاء کے ذریعہ اپنی روزی خود تلاش کرنے میں کوشاں تھے۔

یہاں یہ بتا دینا بے جا نہ ہوگا کہ اس قسم کے ذریعہ روزگار میں انگلش ضرب المثل کا یہ اصول چلتا ہے کہ Early bird catches more warms۔ لیکن اس کلیہ کی رو سے سائیکلوں والے افراد ہی زیادہ کامیاب ہیں جو علی الصبح منہ اندھیرے کوڑا کرکٹ کے بڑے بڑے اور جانے پہچانے ڈھیروں سے کاغذ اور دیگر اپنے مطلب کی اشیاء نکال کر لے جاتے ہیں۔ بچے ایک تو پیدل ہوتے ہیں دوسرے اتنا سویرے آ نہیں سکتے۔ اس طرح ان کے حصے میں وہی کچھ آتا ہے جو ادھر ادھر کونے کھدروں میں پڑا ہو یا پھر بڑوں کی نظروں سے سہواً رہ گیا ہو۔ علاوہ ازیں سائیکل والا تھوڑی مقدار کی خاطر بریک نہیں لگاتا لیکن کاغذ تھوڑے ہوں یا زیادہ کہیں بھی ہوں بچوں کی نظروں سے نہیں بچ سکتے۔ اور اگر خوش قسمتی سے کاغذ کبھی زیادہ ہاتھ لگ جائے تو کیا کہنے۔ ان کے چہروں پر خوشی سے رونق آ جاتی ہے۔ پچھلے دنوں سہ پہر کے وقت، سڑک کے ایک طرف مٹی اور دھول میں بیٹھا ایک بچہ، مکی کے بھنے ہوئے

دانے چن رہا تھا۔ دانے تھوڑے ہی تھے زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس ہونگے جو اس نے وہاں بیٹھے بٹھائے چن کر پھانک لئے اور ہاتھ جھاڑ کر چل پڑا۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔ چلتے چلتے میرے اور اس کے درمیان جو سوال و جواب ہوئے آپ بھی سن لیں۔

سوال: بیٹا! آپ کا نام؟ جواب: متین۔ کون ہوتے ہیں؟ جواب: پٹھان۔ باپ کیا کرتا ہے؟ جواب: وہ فوت ہو گیا ہے۔ سوال: آپ کابل سے آئے ہیں یا پشاور سے؟ جواب: کابل سے۔ سوال: یہ جو دانے آپ نے چنے ہیں آپ کے گرے تھے؟ جواب: نہیں۔ یہ پہلے ہی کسی کے گرے ہوئے تھے سوال: آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟ جواب: دو چھوٹی باجیاں ہیں بھائی کوئی نہیں۔ سوال: کہاں رہتے ہیں؟ جواب: شاہین آباد میں۔ سوال: صبح کتنے بجے آتے ہیں؟ جواب: سات آٹھ بجے۔

انصاف کی رو سے دیکھا جائے تو کتنی ہمت اور جرأت والے ہیں یہ بچے جو ایسی بے سروسامانی میں برفانی ہواؤں اور جھلسا دینے والی لو کا مقابلہ کرتے ہیں (ایک اخباری اطلاع کے مطابق پچھلے شدید سردی اور دھند کے موسم میں بہت سے بچے ہلاک بھی ہو گئے تھے)۔ بہر حال سلام کرتے ہیں ہم اپنے کم سن متین اور اس کے ہم عمر ہمجولیوں کو جو اتنی کم عمری کے باوجود نہ صرف اپنی روزی کا سامان کرتے ہیں بلکہ اپنے دوسرے بہن بھائیوں کی کفالت میں بھی اپنے ماں باپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور یوں یہ ہمارے ننھے منے بچے بچیاں ہمارے گلشن ملت کے پھول اور کلیاں ہیں' دھول میں اٹے سرخ و سفید چہرے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس یہ گودڑی کے لال ہمارا قومی اثاثہ اور مستقبل کی امید ہیں۔ اصولی طور پر یہ ان کے سکول جانے کی عمر ہے لیکن اس تنگدستی اور خستہ حالی میں وہ اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔

کتنا بڑا تفاوت ہے معاشرہ کے تعلیمی اور اقتصادی معیار میں۔ کتنی ناہمواریاں اور دشواریاں ہیں مملکت خداداد کے ان معصوم ہونہاروں اور برخورداروں کے لئے جو اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا محض اس بناء پر بھگت رہے ہیں کہ ہمارے نام نہاد سیاسی اور مذہبی راہ نما حقیقی اسلامی نظام کے نفاذ سے خائف ہیں۔ اس لئے کہ اس سے نہ صرف ان کے اختیار و اقتدار میں فرق آتا ہے۔ بلکہ ان کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انہیں وہ مثالی معاشرہ گراں گذرتا ہے جس سے ان کے اختیار اور پیشوائیت میں فرق آتا ہو۔ اس کے برعکس جب ہم انہیں اپنی بھوک۔ ننگ۔ معاشرے کے عدم توازن اور ناہمواریوں کی بات سناتے ہیں۔ تو وہ پورے وثوق سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کا کیا دھرا ہے۔ اب انہیں یہ کون سمجھائے کہ یہ سب خدا کی طرف سے نہیں ہوتا۔ اس کی ساری ذمہ داری سرمایہ داروں اور جاگیرداروں پر عائد ہوتی ہے۔ جنہیں ہماری مذہبی پیشوائیت کی ہم نوائی اور آشیر باد بھی حاصل ہے اور جس کی خاص وساطت سے یہ عقیدہ بنیادی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جو اس کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بھوکوں کو کھلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم انہیں کیسے کھلائیں جن کا بھوکا رہنا خدا کی مشیت میں ہے۔ یہ ایک غلط اور گمراہ کن نظریہ ہے۔ القرآن ۳۶/۴۷۔

جو لوگ اپنی گمراہی کا ذمہ دار خدا کو قرار دیتے ہیں۔ انہیں پتہ ہونا چاہئے کہ آدم سے لغزش ہوئی اور جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی۔ القرآن ۲۳/۷ یعنی اس نے اپنی خطا کا ذمہ دار اپنے آپ کو ٹھہرایا اور اس کے لئے باز آفرینی کے دروازے کھل گئے۔ ابلیس نے معصیت کی۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا اے میرے رب تو نے مجھے گمراہ کر کے سعادتوں سے محروم کر دیا

ہے۔ یعنی اس نے اپنے آپ کو مجبور بتایا۔ اس سے وہ ہمیشہ کے لئے سعادت سے محروم ہوگیا۔ القرآن ۳۹/۱۵۔

یعنی بات کا وہی ملخص سامنے آیا کہ جو لوگ اپنی گمراہی یا معصیت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں انہیں راہ ہدایت کے مواقع مل سکتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے اس کا ذکر آ چکا ہے۔ ہمارے معاشرے کے بگاڑ کی سب سے زیادہ ذمہ داری مذہبی پیشوائیت پر عائد ہوتی ہے جو اپنی گمراہی کو خدا کی طرف منسوب کر کے خود بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ مثال کے طور پر پہلے یتیم بچوں کو ان کے شرعی حق سے محروم کر کے بے آسرا اور بے یارو مددگار بنا دیا جاتا ہے۔ پھر خود ہی انہیں یتیم خانوں میں رکھ کر خیرات کے ٹکڑوں پر پالنے کی ہدایت کر کے ثواب دارین حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سے ان کی عزت نفس کو نہ صرف ٹھیس لگتی ہے بلکہ ان کا شرف انسانی بھی مجروح ہو جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم خود ذلیل ہوئے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے ایسا معاشرہ قائم کر رکھا تھا جس میں یتیموں کی عزت و توقیر نہیں ہوتی تھی ۱۷/۸۹۔

اس قسم کی دورخی کا پردہ چاک کرتے ہوئے سورہ البقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم غریبوں پر ظلم کرتے ہو اور انہیں گھر سے نکال دیتے ہو لیکن جب دوسرے لوگ انہیں پکڑ کر لے جاتے ہیں تو تم بڑے خدا ترس بنتے ہوئے آگے بڑھتے ہو اور ان کا زر فدیہ ادا کر کے انہیں چھڑا لیتے ہو اور اس سے سمجھتے یہ ہو کہ تم نے بڑی نیکی کا کام کیا ہے ۲/۸۵۔

سفید پوش ترے دل کی تیرگی کی قسم
کہ تو نے نجم و گہر کا خمیر بیچا ہے
حقیر جاہ و حشم کے حصول کے بدلے
دل و دماغ دیئے ہیں ضمیر بیچا ہے

DARS-E-QURAN (IN URDU)
BAZM TOLU-E-ISLAM MANCHESTER (U.K)
EVERY FRIDAY FROM 8PM – 9PM
AT
33 ST. GEORGES ROAD, FALLOWFIELD
MANCHESTER, M14 6SX
DARS-E-QURAN AUDIO AND VIDEO TAPES (URDU) AND
ALL THE PUBLICATIONS BY ALLAMA PARWEZ
ARE AVAILABLE IN OUR LIBRARY FOR LENDING.
PLEASE CONTACT:- MR. MEHFOOZ (0161 286 5496)
OR MR. R.QURESHI:- TEL & FAX NO. (01565 830278)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہارون الرشید

جنرل نقوی کے لئے ایک کہانی

کوئی جائے اور جنرل نقوی کو یہ کہانی سنا دے..... مگر کون سنائے؟

کل شب جج صاحب نے یہ کہانی دوسری بار کہی۔ ٹھیک انہی الفاظ میں' اسی پیرائے میں' اسی لب و لہجے میں..... میں نے سوچا ۲۸ برس میں یہ واقعہ انہوں نے کتنی بار سنایا ہو گا..... شاید ہزاروں مرتبہ..... جب کوئی داستان اتنی بار دہرائی جائے تو اسلوب میں روانی آ جاتی ہے' لفظ نکھر جاتے ہیں اور حکایت کا تانا بانا سنور جاتا ہے لیکن جج صاحب یہ کہانی کہتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ پہلی بار بیان کر رہے ہوں..... اسی سادگی سے' اسی سلاست سے..... وہ خود بھی ایک سادہ سے آدمی ہیں' سچ کی طرح سادہ اور سہل..... سچ کی طرح کڑوے اور کھرے۔

جج صاحب کو یاد نہیں کہ یہ ۱۹۷۲ء کی بات ہے یا ۱۹۷۳ء کی۔ وہ اس بات کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی کوئی اہمیت ہے بھی نہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اخباری مراسلہ لندن ٹائمز میں شائع ہوا تھا اور اس کا عنوان تھا A Leaf From Quran مراسلہ نگار نے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید اللہ کا نازل کردہ آخری صحیفہ نہیں بلکہ نعوذ باللہ' رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں' جو بعد میں ان کے پیروکاروں نے کتاب کی صورت میں مرتب کر دیئے۔ اس ''محقق'' کا جواب کس کو دینا چاہئے تھا۔ ان میں سے کوئی یہ کارنامہ انجام نہ دے سکا لیکن پھر ایک غیر مسلم نے وضاحت کی۔ لندن ٹائمز کے نام اپنے جوابی مراسلے میں اس نے لکھا۔ میں عربی زبان و ادب کا ایک طالب علم ہوں۔ میں نے قرآن پڑھا ہے اور حدیث بھی۔ ان دونوں کی زبان میں ہرگز کوئی مطابقت اور مشابہت نہیں' پھر یہ کہ قرآن مجید میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں' جن سے محمد ﷺ ذاتی طور پر آشنا ہی نہ تھے۔ مثال کے طور پر سب مورخ متفق ہیں کہ انہوں نے کبھی سمندر کا سفر نہ کیا' پھر یہ کس طرح ممکن ہوا کہ سمندروں کے بارے میں قرآن مجید جو کچھ بیان کرتا ہے' وہ نہ صرف حرف بحرف درست ہے بلکہ اس کے بہت سے پہلو اس عہد میں نگاہوں سے اوجھل تھے۔ مزید برآں جب محمد ﷺ سے گزرے ہوئے زمانوں کے بارے میں کوئی سوال کیا جاتا تو ان کا جواب ہمیشہ درست ہوتا' زبور اور انجیل سے' بسا اوقات جس کی تصدیق کی جا سکتی۔ وہ کبھی تو فوراً ہی جواب دیتے اور کبھی فرشتے کی آمد کا انتظار کرتے۔

جناب افتخار احمد چیمہ اب لاہور ہائی کورٹ کے جج ہیں۔ رزق طیب پر شدید اصرار اور سادگی کے علاوہ وہ کڑے تیوروں کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں لیکن ۱۹۷۲ء (یا ۱۹۷۳ء) میں وہ صرف افتخار احمد تھے اور کیمرج میں قانون کی تعلیم پا رہے تھے۔ لندن ٹائمز میں دونوں مراسلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد انہوں نے اس شخص کا سراغ لگایا' جس نے غیر

مسلم ہونے کے باوجود قرآن مجید کے بارے میں ایک مضحکہ خیز مفروضے کی تردید ضروری سمجھی تھی۔ معلوم ہوا کہ مسٹر ٹیلر کیمبرج یونیورسٹی ہی سے وابستہ ہیں۔ ان کی عمر ۸۲ برس ہے اور وہ شعبہ تاریخ کے استاد ہیں وہ کسی دوسرے ملک میں ہوتے تو بیس برس سے ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہوتے مگر یہ برطانیہ تھا' جہاں استاد اور جج کبھی سبکدوش نہیں ہوتے۔

چار مسلمان طالب علموں کے ساتھ افتخار احمد چیمہ اس معلم سے ملنے گئے۔ جیسا کہ انگریزوں کا دستور ہے' گفتگو کا آغاز موسم اور ماحول کے ذکر سے ہوا' پھر مسٹر ٹیلر نے نوجوان طلبہ سے پوچھا کہ انہوں نے برطانیہ کو کیسا پایا۔ یہ سوال کرنے کی دیر تھی کہ پانچوں طلبہ نے زبان و بیان کی ساری قوت اس ملک کی ستائش پہ صرف کر دی جہاں ہر شخص کو بے روزگاری الاؤنس ملتا ہے' تعلیم اور علاج مفت ہے تنخواہ ہفتہ وار دی جاتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک کے سارے وسائل عام آدمی کے لئے مختص ہیں۔

جب طالب علم کمال جوش و جذبے سے مدعا مکمل کر چکے تو بوڑھے استاد نے سوال کیا ''کیا آپ لوگ مزید کچھ کہنا چاہیں گے'' انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور انکار میں سر ہلایا۔

''میرے بچو' کیا تمہیں معلوم ہے کہ برطانیہ کو فلاحی ریاست بنانے کا خواب کس نے متشکل کیا؟'' انہیں معلوم تھا یہ لیبر پارٹی کے مسٹر ایٹلی تھے' جنہوں نے ۱۹۴۶ء میں سیاست کی بساط پر ایک ناقابل یقین واقعہ رقم کیا تھا۔ شاید انتخابی تاریخ میں پہلی بار ایک فاتح حکمران ونسٹن چرچل کی قدامت پسند جماعت کو شکست سے دوچار ہونا پڑا..... اور یہ اس لئے ممکن ہوا کہ مسٹر ایٹلی نے فلاحی ریاست کا ایک خیرہ کن تصور پیش کیا' ہر بے روزگار کو وظیفہ' ہر بیمار کو دوا' ہر بچے کو تعلیم۔ بزرگ استاد اپنے طلبہ کی ذہانت اور باخبری سے خوش نظر آیا لیکن ایک چھوٹا سا انکشاف ابھی باقی تھا۔ فلاحی ریاست کا خواب سیاست دان ایٹلی نہیں بلکہ تاریخ کے طالب علم ٹیلر کے زرخیز دماغ کی پیداوار تھا' ۱۹۴۶ء کے انتخابی معرکے میں مسٹر ٹیلر جناب ایٹلی کے مشیر تھے۔

لیکن خود ٹیلر نے جن کی عمر اس وقت ۵۶ برس تھی' یہ حیران کن تصور کہاں سے اخذ کیا تھا؟ کسی معاصر مغربی مفکر سے؟ کسی دوسرے دانشور سے؟ کسی کتاب سے؟

''میں تاریخ عالم کا طالب علم ہوں'' آسانی اور آہستگی سے انہوں نے برطانوی یونیورسٹی کے ایشیائی طلبہ سے کہا ''میں نے انسانی تاریخ پڑھی ہے' پڑھائی بھی ہے اور لکھی بھی..... میں نے یہ تصور عمرؓ سے لیا تھا''..... عمر فاروق اعظمؓ سے!

جسٹس افتخار احمد چیمہ یہاں پہنچ کر رک جاتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ان کا سراپا گزرے وقت کی یاد میں گم ہو رہا ہے۔ وہ جج ہیں اور ایک جج کو یہی زیبا ہے کہ زائد از ضرورت ایک لفظ بھی اس کی زبان سے ادا نہ ہو۔

جہاں تک اس سامع کا تعلق ہے' اس نے کہانی سنی تو حواس باختہ سا ہو گیا..... کتنے ہی خیالات تھے جو اس کے ذہن پر ٹوٹ پڑے۔

وہ کون بے خبر ہیں؟ جو یہ سمجھتے ہیں کہ امت مسلمہ اور بنی نوع انسان کے لئے اصحاب رسول ﷺ کا فیض ختم ہوا۔

وہ کون بدقسمت ہیں' جو نہیں جانتے کہ ختم المرسلین ﷺ کا اقتدار دائمی ہے اور ابد تک رہے گا۔

پھر گہرے رنج اور شدید ملال کے ساتھ میں نے سوچا کہ کوئی جائے اور ایک مسلم معاشرے کے لئے نظم و نسق کے نئے تصورات تراشنے والے جنرل نقوی کو یہ کہانی سنا دے مگر کون سنائے؟

(بشکریہ جنگ 7/8/2000)

پمفلٹس -- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔

مندرجہ ذیل پمفلٹس ۳ روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1- آرٹ اور اسلام
2- .....
3- اسلام کیا ہے؟
4- .....
5- اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
6- .....
7- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8- .....
9- اندھے کی لکڑی
10- بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
11- جہاں مارکس ناکام رہ گیا
12- حرام کی کمائی
13- .....
14- .....
15- دوقومی نظریہ
16- روٹی کا مسئلہ
17- .....
18- .....
19- .....
20- عورت قرآن کے آئینے میں
21- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
22- قرآن کا سیاسی نظام
23- قرآن کا معاشی نظام
24- قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
25- کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
26- کافرگری
27- .....
28- مقام اقبالؒ
29- مرزائیت اور طلوع اسلام
30- مقام محمدی ﷺ
31- ماؤزے تنگ اور قرآن
32- ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟
33- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
34- Islamic Ideology
35- Is Islam a Failure?
36- Why Islam is the Only True Deen?
37- Parmanent Values
38- اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟
39- انسانیت کا آخری سہارا
40- پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
41- نماز کی اہمیت
42- ہم عید کیوں مناتے ہیں؟
43- Why Do We Lack Character?
44- ہندو کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوسفیان اصلاحی

فتنہ تکفیر

ہندوستان میں فتنہ تکفیر ایک عام چیز ہے' اور اس فتنہ کا فروغ ایک ایسے حلقہ میں ہوا جس کے لوگ حاملین کتاب و سنت ہیں اور انہیں وارثین انبیاء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے' اس فتنہ نے ان لوگوں کو بھی ہدف تنقید بنایا جنہوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں قرآن و سنت کے احیاء میں صرف کر دیں۔ مذہب اسلام نے مختلف ذرائع سے دینی رشتہ کی حفاظت کی تاکید کی ہے چہ جائیکہ ایک مومن پر کفر کا فتویٰ صادر کیا جائے' اسلام میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر کوئی غیر مومن شخص کسی وجہ سے خود کو مومن بتا رہا ہو تو اسے ہمیں کافر کہنے کا حق نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا (النساء ۹۴)

جو شخص (اسلام کے لیے) تم کو سلام کرے اس کو نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے)

ایک مرتبہ کسی جنگ میں ایک شخص نے مسلمانوں کو السلام علیکم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا لیکن ایک مسلمان نے اسے یہ گمان کر کے قتل کر دیا کہ اس نے یہ بات اپنی جان بچانے کے لیے کہی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس پر سخت برہم ہوئے اور آپؐ نے کہا کہ ''ھل شققت قلبہ'' کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ ہماری علماء برادری کو اس مسئلہ میں حد درجہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے لیکن آج تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ فتویٰ ہے جس میں علامہ شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی کو دائرہ کفر میں پہنچا دیا گیا۔ یہ فتویٰ تھانہ بھون سے صادر ہوا' جس پر جناب مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا ظفر احمد صاحب' مولانا شبیر احمد عثمانی' اور مولانا قاری محمد طیب صاحب کے دستخط ثبت ہیں اور اس کی تائید سہارنپور' گنگوہ اور دیوبند وغیرہ کے بعض مولوی صاحبان نے بھی کی ہے۔ (۸۴) جن کے علم و فضل اور تقویٰ و خشیت میں کوئی شبہہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن علامہ شبلی اور مولانا کی تکفیر میں بقول مولانا مودودی کہ ان علماء کرام نے جس سہل انگاری سے کام لیا ہے اس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اب ایک مسلمان کی تکفیر ایک چیونٹی کے مار دینے سے بھی سہل انگار ہو گئی ہے۔ (۸۵)

علامہ شبلی پر کفر کا فتویٰ ان کی کتاب ''الکلام'' کے چند فقروں کو سامنے رکھتے ہوئے عائد کیا گیا' حالانکہ یہ فقرے ملاحدہ کے وہ اعتراضات ہیں جنہیں علامہ نے اپنی کتاب میں جواب دینے اور تردید کی غرض سے نقل کیا تھا۔ سچ پوچھئے تو کتاب میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس میں الحاد کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ بلکہ اس کے پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف پکا مومن ہے اور ایسا مومن ہے جسے دوسرے مسلمانوں کے ایمان کو بچانے کی لگن لگی ہوئی ہے۔ (۸۶)

مولانا حمید الدین فراہی کو جن عبارتوں کی بنیاد پر موجب کفر قرار دیا گیا وہ اصلاً مولانا کے چند غیر مرتب

اشارات تھے جنہیں مولانا اصلاحی نے اردو میں منتقل کر کے مجلّہ الاصلاح میں شائع کر دیا تھا اور اسی کے ساتھ یہ تنبیہی نوٹ بھی درج کر دیا کہ یہ نا تمام حالت میں ہے' اس لیے کہیں کہیں عبارت چھوٹی ہوئی ہے' بعض جگہ سخت ابہام ہے۔ (۸۷) لیکن اس نوٹ کے باوجود بھی انہی غیر مرتب اشارات کو بنیاد بنا کر مولانا فراہی کو کافر قرار دیا گیا۔ جس نے مسلسل چالیس برس تک قرآن مجید کی خدمت کی۔ جس نے معارف قرآنی کی تحقیق میں سیاہ بالوں کو سفید کیا۔ جس کی تفسیروں سے عرب و عجم کے ہزاروں مسلمانوں میں تدبر فی القرآن کا ذوق پیدا ہوا' جس کی تحریروں کا ایک ایک لفظ گواہی دے رہا ہے کہ وہ قرآن کا عاشق ہے اور اس کے لفظ لفظ پر جاں نثار کرتا ہے۔ اگر ایسے لوگ بھی مسلمان نہیں تو اس زمین پر ہم مسلمانوں کو کہاں تلاش کریں۔ (۸۸)

یہاں پر مولانا فراہی کی عبارتوں کو طوالت کے خوف سے نقل نہیں کر رہے ہیں۔ صرف اتنا یہاں بتا دینا مناسب ہوگا کہ اس فتویٰ میں تین باتوں کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

۱۔ اسماء سور سے سورت کے مضمون و موضوع کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ (۸۹)

۲۔ بعض مواقع پر بندش و قافیہ کے لیے غیر انسب الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ (۹۰)

۳۔ موجودہ تقسیم رکوع و اجزاء نظم و ربط مضامین میں مخل ہوتی ہے' اس لیے طالب نظم کے لیے اس کی پابندی لازمی نہیں۔ (۹۱)

مولانا فراہی کے ان خیالات سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے' لیکن اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے مولانا فراہی پر کفر کا فتویٰ عائد کر دیا جائے' اس فتویٰ کا جناب غلام احمد پرویز صاحب نے جائزہ لیتے ہوئے دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ مولانا فراہی کے ان خیالات کی بنیاد پر انہیں کافر قرار دینا حد درجہ ظلم و زیادتی ہے۔ (۹۲) اسی طرح ''الکلام'' کی جلی عبارتوں کو پیش نظر رکھ کر علامہ شبلیؒ کو کفر کی حدود میں داخل کر دیا گیا ہے' ان کا مولانا بدر الدین اصلاحی نے تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ عبارتیں علامہ کی ہیں ہی نہیں بلکہ یہ ملاحدہ کے اقتباسات ہیں جنہیں علامہ نے تردید کی غرض سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے' اس لیے یہ فتویٰ تکفیر یکسر بے بصیرتی اور سہل انگاری پر مبنی ہے اور علامہ کو کافر قرار دینا کس قدر کار خیانت ہے۔ (۹۳) لیکن بعد میں جب مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس فتویٰ سے رجوع کیا۔ (۹۴) اور مولانا لطف اللہ جن کے اس فتویٰ پر دستخط تھے' انہوں نے مجلّہ ''الاصلاح'' میں ایک خط لکھ کر اس سے برات کا اظہار کیا اور اپنی اس کارعبث پر نادم بھی ہوئے۔ (۹۵) اس فتویٰ تکفیر پر ہندوستان کے چوٹی کے علماء نے اظہار افسوس بھی کیا' اس سلسلہ کی تحریروں میں سے الاصلاح میں مولانا ابوالکلام آزاد جو مولانا حسین احمد مدنی' مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد (نائب امیر شریعت بہار) مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی تحریریں شائع ہوئیں۔ (۹۶) اسی فتویٰ سے متعلق الاصلاح کے دو شذرات میں بھی بحث کی گئی۔ (۹۷)

اب آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ مولانا کے عزیز دوست اور شاگرد سید صاحب پر اس کا کیا اثر ہوا اور وہ اس باب میں کیا فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک خط میں مولانا دریابادی کو لکھتے ہیں کہ ''سرائے میر کی فتنہ تکفیر کی روداد تو آپ تک پہنچی ہوگی' مجھے مولانا شبلی کی تکفیر کا غم نہیں کہ وہ متکلم تھے اور وہ کون متکلم ہے جو کافر نہ بنا۔ غم مولانا حمید الدین صاحب کی تکفیر کا ہے' جن کو ہم لوگ دیوبند کے بڑے بڑے اکابر سے علم و فضل اور زہد و اتقاء میں کمتر نہیں جانتے۔ (۹۸)

سید صاحب کو اس فتویٰ پر حد درجہ غم اور قلق تھا اور

انہوں نے علماء کرام کے اس فعل کو حد سے زیادہ جراتمندانہ اقدام قرار دیا' سید صاحب فرماتے ہیں کہ ''مولانا حمید الدین صاحب پر جو نہ صرف علم و فضل میں یکتائے زمانہ تھے بلکہ اپنی صحت اعتقاد اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے خواص امت میں سے تھے' بعض الفاظ کی بناء پر کفر کا فتویٰ مرتب کرنا حد سے زیادہ جرات ہے''۔(۹۹)

تکفیر کا یہ فتویٰ دراصل مدارس کی باہمی عداوت و رقابت کا نتیجہ ہے' سرائے میر ہی کے ایک مدرسہ نے مدرسۃ الاصلاح کے خلاف یہ شاخسانہ کھڑا کیا کیونکہ یہ مدرسہ مدرسۃ الاصلاح کی عداوت و مخالفت میں قائم کیا گیا ہے' اسکی یہ کوشش تھی کہ اس کے خلاف ایک ایسا شوشہ چھوڑا جائے کہ عوام اس سے بیزار ہو کر چندہ دینا اور اپنی اولاد کو ان میں پڑھانا بند کر دیں۔ سید صاحب نے ان چیزوں کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے کہ ''آس پاس میں ''علماء زمانہ'' کی کمی نہیں انہوں نے اس کے مقابل دوسرا مدرسہ قائم کیا اور اپنے مدرسہ کو چلانے کے لیے یا اپنے زعم میں نیک نیتی سے وقتاً فوقتاً مدرسۃ الاصلاح کے خلاف غلط افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کو اس کی امداد سے روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن

؎ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔

ان کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہی اور مدرسۃ الاصلاح کا کام بڑھتا ہی رہا''۔(۱۰۰)

سید صاحب نے مدارس کی اس باہمی رقابت پر حد درجہ اظہار افسوس کیا۔ اور بتایا کہ بات اس حد تک جا پہنچی ہے کہ ذمہ داران مدارس آپس میں ایک دوسرے پر کفر کے فتاوے عائد کرنے لگے ہیں جو حد درجہ قابل افسوس ہے۔(۱۰۱)

سید صاحب نے یہ بھی بتایا کہ یہ فتویٰ کن لوگوں کی جانب سے منظر عام پر آیا اور سرائے میر کے اس مدرسہ نے مخالفت میں اور کچھ کہا گیا۔ ان کے الفاظ ملاحظہ کریں ''یہ جدید ترقی' مخالفوں کے سامان ہیزم کشی کے لیے آگ ثابت ہوئی۔ انہوں نے اس کی تباہی کے لیے اپنے آخری بے پناہ حربہ (کافر گری) کو استعمال کیا اور تھانہ بھون' سہارنپور' بمبئی اور دیوبند وغیرہ کے چند علماء کو مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین کی چند بے محل عبارتیں دکھلا کر دونوں کی تکفیر کا فتویٰ لے آئے۔ جس پر علماء کرام کی تصدیقی مہریں ثبت ہیں۔ پھر دہلی' میرٹھ' وغیرہ سے ایک درجن ایسے علماء بلا کر لے آئے جو اپنے مخالفوں کو بہتر سے بہتر مذہبی اور اخلاقی ۹ گالیاں دے سکیں۔ چنانچہ مدرسہ کے قریب کی ایک زمین میں جلسہ جما کر تین روز تک پیہم ان دو مرحومین کو اور ان کے تعلق سے مدرسہ کو بدتر سے بدتر کلمات ناشائستہ سے یاد فرماتے رہے''۔(۱۰۲)

سید صاحب کو اس فتویٰ پر غیر معمولی رنج تو تھا ہی کیونکہ مولانا فراہی سے ان کے نہایت گہرے مراسم تھے اور دوسری طرف مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت بھی تھے' اس لیے ان کی یہ کوشش رہی کہ اس فتویٰ تکفیر سے رجوع کر لیا جائے' اور مولانا تھانوی کو کسی طرح کی گزند بھی نہ پہنچے۔ اس سلسلہ میں مولانا دریابادی نے بڑی قابل تحسین خدمت انجام دی۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی کے متعلق مولانا دریا بادی کو لکھتے ہیں کہ ''امین احسن صاحب آئے تھے۔ مولانا کی تحریر لائے تھے۔ ان کو سمجھا دیا ہے کہ جوش و خروش سے کام نہ لیں۔''(۱۰۳) یعنی سید صاحب نے مولانا اصلاحی کو کسی ایسی تحریر کو منظر عام پر لانے سے منع کیا کہ جس سے مولانا تھانوی کی شخصیت مجروح ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ نہایت خوش اسلوبی سے یہ فتویٰ واپس ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مولانا دریا بادی کی کوششوں سے یہ فتویٰ واپس لیا گیا تو سید صاحب نے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ ان کے ایک کارڈ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''کارڈ ملا اور اس سے پہلے بھی ایک عنایت نامہ آیا تھا' آپ نے اس بارے میں جو یادگار خدمت

انجام دی ہے' اس کا شکریہ ہر صلح پسند کو ادا کرنا چاہیے۔ میرے لیے بڑی مشکل' دوگونہ تعلقات کو نباہنا ہے۔ بہرحال آئندہ شذرات میں بچا بچا کر کچھ لکھا ہے۔

نعمانی و فراہی کے عقائد پر مفصل مضامین لکھنے کی ضرورت کیا اور فرصت کسے۔ (۱۰۴)

''تلک امة قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم''

مولانا شبلی کے رفع الزام پر ایک اصلاحی نے طویل مضمون لکھا ہے جو شاید الاصلاح میں چھپے''۔ (۱۰۵)

مولانا تھانوی نے جب اس فتویٰ کو واپس لیا تو اس پر سید صاحب کو بڑی خوشی ہوئی اور مولانا تھانوی کے اس عمل کو سراہا بھی۔ سید صاحب شذرات میں یوں رقم طراز ہیں۔ ''یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ حضرت مولانا نے فتویٰ کے بعض جوابی تشریحی مضامین پڑھنے کے بعد اپنے مسلک توسع کی بناء پر ان دونوں بزرگوں کی تکفیر کے فتویٰ سے رجوع فرمایا۔

اس زمانہ میں جب کہ اعتراف حق کبریت احمر ہے' حضرت مولانا تھانوی کی یہ حق پسندی بے حد قابل قدر ہے۔

(بشکریہ سہ ماہی' فکر و نظر' جنوری۔ مارچ ۲۰۰۱ء) (۱۰۶)

(۸۴) دوعمدہ مضمون۔ ناشر' بدرالدین اصلاحی باہتمام عبدالاحد اصلاحی (کافر گری۔ غلام احمد پرویز) مطبعہ اصلاح' سرائے میر اعظم گڑھ۔ ص ۲۳۔۲۴' (۸۵) ایضاً' فتنۂ تکفیر' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' ص ۱۳۔۱۴' (۸۶) ایضاً' ص ۱۵' (۸۷) قرآنی مقالات۔ ص ۸۲ (۸۸) دوعمدہ مضمون (فتنۂ تکفیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی) ص ۱۲ (۸۹) خیالات اثناء ترجمہ قرآن حمید الدین (۹۰) خیالات اثناء ترجمہ قرآن۔ حمید الدین فراہی (قرآنی مقالات۔ ادارہ علوم القرآن۔ سرسید نگر و علی گڑھ' طبع اول۔ ۱۹۹۱ء' ص ۱۸ (۹۱) مجلّہ الاصلاح۔ اگست ۱۹۳۶ء (۹۲) وضاحت کے لیے دیکھئے۔ دوعمدہ مضمون۔ ص ۲۳۔۳۴ (۹۳) وضاحت کے لیے دیکھئے۔ علامہ شبلی پر فتویٰ تکفیر کی تردید۔ مولوی بدرالدین اصلاحی۔ مجلّہ الاصلاح۔ سرائے میر اعظم گڑھ۔ اگست۔ ۱۹۳۶ء' ۱/۸' ص ۲۹۔۵۴ (۹۴) وضاحت کے لیے دیکھئے: مجلّہ الاصلاح' ستمبر ۱۹۳۶ء۔ ۱/۹' ص ۲ (۹۵) ایضاً' ۱/۹' ص ۲ (۹۶) مجلّہ الاصلاح۔ اگست ۱۹۳۶ء۔ ۱/۸' ص ۵۶۔۶۱ (۹۷) فتنۂ تکفیر۔ امین احسن اصلاحی۔ مجلّہ الاصلاح۔ جولائی ۱۹۳۶ء۔ ۱/۷' ص ۱۔۸ فتنۂ تکفیر (بعض اکابر کی رائیں) امین احسن اصلاحی۔ مجلّہ الاصلاح۔ اگست ۱۹۳۶ء۔ ۱/۸' ص ۵۶۔۶۱۔ (۹۸) مکتوبات سلیمانی (مرتبہ عبدالماجد دریا بادی) شاہی پریس لکھنو۔ ۱۹۶۷ء۔ ۲/۵۳۔۵۴۔ (۹۹) غوغائے تکفیر۔ سید سلیمان ندوی۔ مجلّہ الاصلاح۔ اگست ۱۹۳۶ء۔ ۱/۸' ص ۲۷۔ (۱۰۰) شذرات۔ سید سلیمان ندوی۔ مجلّہ معارف' دارالمصنفین' اعظم گڑھ۔ اگست ۱۹۳۶ء۔ ۲/۳۸' ص ۸۴۔ (۱۰۱) غوغائے تکفیر' سید سلیمان ندوی۔ الاصلاح۔ اگست ۱۹۳۶ء' ۱/۸' ص ۲۵۔ (۱۰۲) مجلّہ معارف' اگست ۱۹۳۶ء۔ ۲/۳۸' ص ۸۴۔ (۱۰۳) مکتوبات سلیمانی۔ ۲/۵۷۔ (۱۰۴) ایضاً۔ ۲/۵۵' (۱۰۵) یہ مضمون مولانا بدرالدین اصلاحی کا تھا جو مجلّہ الاصلاح' (اگست ۱۹۳۶ء۔ ۱/۸' ص ۵۶۔۶۱) میں شائع ہوا۔ (۱۰۶) شذرات۔ سید سلیمان ندوی۔ مجلّہ معارف۔ دارالمصنفین' اعظم گڑھ۔ ستمبر ۱۹۳۶ء' ۳/۳۸۔

خوشخبری

بزم طلوع اسلام راولپنڈی کے توسط سے علامہ پرویزؒ کے آڈیو درس ہائے قرآنی کو سی۔ ڈی پر منتقل کرنے کے بعد ویڈیو درس ہائے قرآنی کو بھی سی۔ ڈی پر منتقل کرنے کا کامیاب تجربہ کر لیا گیا ہے۔ اس کارہائے نمایاں پر نمائندہ بزم راولپنڈی چوہدری نثار احمد صاحب کو ہدیہ تحسین و تبریک پیش کیا جاتا ہے۔

ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہاشم جبلپوری۔ کراچی

دکھی انسانیت کو امن کا پیغام

نوازش مہربانی بے کراں احسان اللہ کا
رسول اللہ نے ہم کو دیا قرآن اللہ کا

تمیز حق و باطل کے لیے فرقان اللہ کا
انساں کی ہدایت کے لیے فرمان اللہ کا

دکھی انسانیت کو امن کا پیغام ہے قرآن
جہاد زندگی میں عزت و اکرام ہے قرآن

اسی قرآں کا اک اک حرف زرّیں نقش قدرت ہے
اسی قرآں میں وحدت ہے اسی قرآں میں قوت ہے

عروج رفعت انسانیت ہے نور و نکہت ہے
یہ اک گنجینہ عرفان ہے حق و صداقت ہے

یہ قرآں دین فطرت ہے یہ شرف آدمیت ہے
ہدایت ہے، طریقت ہے، شریعت ہے، حقیقت ہے

ہر اک مسلم کے دل میں جب اسی قرآں کی عظمت ہے
اسی پر سب کا ایماں ہے تو پھر کیا حیل و حجت ہے

اسے جو نامکمل کہتے ہیں یہ ان کی جہالت ہے
یہ دانستہ خدا کے دین سے یکسر بغاوت ہے

خدا نے کہہ دیا جب یہ کہ قرآں دین کامل ہے
تو پھر اس میں کمی کی سوچ کا انداز باطل ہے

بجز قرآں کوئی شے جب شریک دین ہوتی ہے
عظیم المرتبت قرآن کی توہین ہوتی ہے

یہ انسانوں سے فرمایا خدا نے تم پڑھو اس کو
نہایت سہل و آساں کر دیا ہے میں نے قرآں کو

خلوص دل سے عقل و فکر سے اس پر توجہ دو
شعور زندگی تسکین جاں مل جائے گی تم کو

فقط قرآں ہے جس پر مسلماں کو بھروسہ ہے
عقیدت سے اسی کو چوم کر دل سے لگاتا ہے

کہ ذکر عالمیں ہے جب اسی قرآن کے اندر
سمجھ کے اس کو پڑھنا لازمی ہے ہر مسلماں پر

رسول محترمؐ کا عہد کیا اچھا زمانہ تھا
نہ تھا فرقہ کوئی موجود، ملت اک گھرانہ تھا

جو آیا فرق سوچوں میں تو فرقے ہو گئے پیدا
معیشت میں مچی جب لوٹ طبقے ہو گئے پیدا

کہ صدیوں سے مسلماں جی رہے ہیں زیردستی میں
مظالم ہو رہے ہیں کس قدر اللہ کی بستی میں

جو لاکھوں گھر گزارہ کر رہے ہیں فاقہ مستی میں
انہیں رکھا گیا ہے دیدہ دانستہ ہی پستی میں

تماشے کچھ مداری ایسے بھی آکر دکھاتے ہیں
بنا کر بستیوں کو قتل گاہیں بھاگ جاتے ہیں

مہذب پارسا ہیں، ذہن ہے لیکن قصائی کا
لہو پیتا ہے بے حد شوق سے خود بھائی بھائی کا

مسلماں بھائی بھائی ہیں تو باہم دوریاں کیوں ہیں؟
کہیں پر جبر پیہم اور کہیں مجبوریاں کیوں ہیں؟

یہ حالت ہے ہماری صرف قرآں چھوڑ دینے سے
اخوت ہائے اسلامی کا رشتہ توڑ دینے سے

قسم اللہ کی گر وحدت اسلام ہو جائے
تو اس دنیا کی سرداری ہمارے نام ہو جائے

کہا اللہ نے، اے نوحؑ ہمت آزماؤ تم
اگر طوفاں سے بچنا ہے تو پھر کشتی بناؤ تم

ہمیشہ ملتی ہے منزل فقط اک رہ پہ چلنے سے
مدد اللہ کی آتی ہے میداں میں نکلنے سے

نہ اب اتریں گے جبرائیل وحی نو سنانے کو
نہ آئے گا مسیحا کوئی اب غم سے چھڑانے کو

ہمیں خود انقلابی طور ہمت آزمانا ہے
تڑپ کر ولولہ انگیز جرأت آزمانا ہے

اٹھو کر کے مزین خود کو قرآنی اصولوں سے
سجا دو گلشن دنیا کو سچائی کے پھولوں سے

یہی مسلک ہے میرا اور یہی اسلام ہے میرا
یہی پرچار ہے ہاشم یہی پیغام ہے میرا

اگر اللہ دے توفیق تو اک کام کر دینا
کوئی لمحہ دکھی انسانیت کے نام کر دینا

قارئین محترم

(1) ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر 3082-7 نیشنل بنک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ 2 لاہور ہے۔

(2) اگر آپ (Direct) رقم ادارہ کے اکاؤنٹ میں بھیجیں تو ادارہ کو اس رقم کے بارے میں اطلاع دیں کہ کون سے بنک کی وساطت سے رقم بھیج رہے ہیں اور کتنی رقم ہے۔ نیز وہ رقم کون سے فنڈ کے لئے ہے تاکہ اس کے بارے میں بروقت معلوم کیا جا سکے۔

(3) اگر آپ لوکل شمارہ کے لئے رقم مبلغ -/170 روپے بھیج رہے ہیں تو آپ برائے مہربانی ڈرافٹ بنوا کر بھجوائیں تاکہ بروقت اسے ادارہ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرایا جا سکے۔ اگر آپ لاہور سے باہر کسی دوسرے شہر کا چیک ارسال کرنا ہی مناسب سمجھیں تو درج ذیل حساب سے رقم ارسال کریں۔

(i)	شمارہ ایک سال کے لئے	170 روپے
(ii)	بنک چارجز	70 روپے
	کل رقم	240 روپے

(4) میگزین کے لفافہ پر جہاں آپ کا ایڈریس درج ہوتا ہے اوپر یہ عبارت درج ہوتی ہے Subscription Paid up to 12/2001 یا کوئی اور مہینہ لکھا ہوگا۔ آپ براہ مہربانی اس عبارت کو ہر مہینہ شمارہ ملنے پر پڑھیں۔ اگر آپ کا زرشرکت ختم ہو رہا ہو تو رقم ارسال کر دیں تاکہ یاددہانی کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(5) اگر آپ شمارہ جاری نہ رکھنا چاہتے ہوں تو زرشرکت ختم ہونے سے پہلے ادارہ کو مطلع کریں تاکہ شمارہ بند کیا جا سکے۔

(6) اگر آپ اپنا ایڈریس تبدیل کرانا چاہتے ہوں تو ادارہ کو اس کے متعلق ہر ماہ کی 15 تاریخ تک مطلع کریں۔ بصورت دیگر شمارہ پہلے ایڈریس پر ہی روانہ کیا جائے گا۔

(7) مجلّہ طلوع اسلام کے زرشرکت کے لئے منی آرڈر بھیجتے وقت اپنا ایڈریس صاف اور خوشخط لکھیں تاکہ ایڈریس میں غلطی کا امکان نہ ہو۔ شکریہ

ایاز حسین انصاری

چیئرمین ادارہ

DARS-E-QURAN

IN ENGLAND

UNDER THE MANAGEMENT OF
BAZM TOLU-E-ISLAM LONDON

Place	Day	Time
76 Park Road, ILford, Essex IGI 1SF	First Sunday of the Month Ph: 020-8553-1896 E-mail: maqbool.farhat@virgin.net	14.30
53 Downlands Drive Southgate West Crawley West Sussex RH11 8QZ	Every last Sunday of the Month *Contact* M. Khalil : Ph: 01293 446258 Or Arshad Mahmood:01293 419 784	14.30
86 Meadowbank Gardens Cranford TW5 9TU Middx	Every 3rd Sunday of the Month Ph:Tariq Aziz: 020-8754-1100 Mobile: 07939 017117	14.30
Ladies Only 72 Herent Drive Clayhall ILford, Essex IG5 OHG	Every last Friday of the Month Ph:Rubina Khawaja: 020-8550-3893 Or Suriaya Farhat:020-8553-1896	12.30

Letter to the Editor

My name is Ayesha and I am twelve years old and have finished the Qur'an once in Arabic and now I am reading it in English. I first finished it when I was eight and a half years old. After that I came to London. I started to forget how to read the Qur'an, I mean Tilawat-e-Kalaam-e-Pak. So I asked my mum to listen to me and help me where I got stuck.

One day I went over to my friend's house. Some of her friends were there; they're talking about Islam.

Then out of no where one of my friend's friend said that in the Qur'an it does not say who we can not marry. I was very shocked to hear that.

When I came back home, I started to feel something, it was almost like my heart was telling me to do some of my own research to find out if it did or did not tell us in the Qur'an who we can not marry. After doing some of my own research I found out that our beloved Rasool (PBUH) did leave the message for us about whom we can not marry. I was glad that what I had thought had been true.

Although you all are aware of this but here, I would like to share what I have found.

'Marry not women whom your fathers had married. What is past is past, but this was a very shameful, indecent, and abominable custom indeed!' (4.22)

'Forbidden to you in marriage are:

1. Your mothers 2. Your daughters 3. Your sisters 4. Your father's sisters 5. Your mother's sisters 6. Your brother's daughters 7. Your sister's daughters 8. Your foster mothers 9. Your foster sisters 10. Mothers of your wives 11. Wives of your real sons 12. Your step-daughters, who have been brought up under your guardianship and are born of wives with whom you have had married. 13. It is also prohibited to have in marriage two sisters at the same time.

However, what is past is past. Allah overlooks your shortcomings, but remember that the protection and nourishment of your personality can only be, if you follow His (SWT) Guidance.' (4.23)

The main thing I would like to say is that if someone tells us any thing we shouldn't just believe it we should find it out for our selves.

Your Sister

(Ayesha (age 12) London, U.K.

****

CHILDREN'S CORNER

I HAVE A DREAM.....

I have a dream that,
There is no killing in this world.
I have a dream where,
You see a bunch of teenagers and feel safe.
I have a dream that,
There is no such thing as bombs and guns
Swords and tanks.
I have a dream there
Is peace every where.
I have a dream where
There are no poor people in the world.
Where every one is equal,
Where people never starve,
And people obey the law of the one and only
Allah.

By Saira Aziz (age 10)
Cranford, England, U.K

****

OTHER MASS MEDIA

The story is pretty much the same for other media as it is for television, radio, and newspapers. Consider, for example, newsmagazines. There are only three of any note published in the United States: Time, Newsweek, and U.S. News and World Report. Time, with a weekly circulation of 4.1 million, is published by a subsidiary of Time Warner Communications. The CEO of Time Warner Communications, as mentioned above, is Gerald Levin, a Jew. Newsweek, as mentioned above, is published by the Washington Post Company, under the Jewess Katherine Meyer Graham. Its weekly circulation is 3.2 million. U.S. News & World Report, with a weekly circulation 2.3 million, is owned and published by Mortimer Zuckerman, a Jew. Zuckerman also owns the Atlantic Monthly and New York's tabloid newspaper, the Daily News, which is the sixth-largest paper in the country. Among the giant book-publishing conglomerates, the situation is also Jewish. Three of the six largest book publishers in the U.S. according to Publisher's Weekly, are owned or controlled by Jews. The three are first-place Random House (with its many subsidiaries, including Crown Publishing Group), third-place Simon & Schuster, and sixth-place Time Warner Trade Group (including Warner Books and Little, Brown). Another publisher of special significance is Western Publishing. Although it ranks only 13th in size among all U.S. publishers, it ranks first among publishers of children's books, with more than 50 per cent of the market. Its chairman and CEO is Richard Snyder, a Jew, who just replaced Richard Bernstein, also a Jew.

THE EFFECT OF JEWISH CONTROL OF THE MEDIA

These are the facts of Jewish media control in America. Anyone willing to spend several hours in a large library can verify their accuracy. I hope that these facts are disturbing to you, to say the least. Should any minority be allowed to weild such awesome power? Certainly not, and allowing a people with beliefs such as expressed in the Talmud, to determine what we get to read or watch in effect gives this small minority the power to mould our minds to suit their own Talmudic interests, interests which as we have demonstrated are diametrically opposed to the interests of our people. By permitting the Jews to control our news and entertainment media, we are doing more than merely giving them a decisive influence on our political system and virtual control of our government; we also are giving them control of the minds and souls of our children, whose attitudes and ideas are shaped more by Jewish television and Jewish films than by their parents, their schools, or any other influence.

****

States, "is owned by Ronald Perelman, a Jew. The best known of the smaller media companies, Dreamworks SKG, is a strictly kosher affair. Dream Works was formed in 1994 amid great media hype by recording industry mogul David Geffen, former Disney Pictures chairman Jeffrey Katzenberg, and film director Steven Spielberg, all three of whom are Jews. The company produces movies, animated films, television programs, and recorded music. Two other large production companies, MCA and Universal Pictures, are both owned by Seagram Company, Ltd. The president and CEO of Seagram, the liquor giant, is Edgar Bronfman Jr., who is also president of the World Jewish Congress. It is well known that Jews have controlled the production and distribution of films since the inception of the movie industry in the early decades of the 20th century. This is still the case today. Films produced by just the five largest motion picture companies mentioned above-Disney, Warner Brothers, Sony, Paramount (Vioacom), and Universal (Seagram)-accounted for 74 per cent of the total box-office receipts for the first eight months of 1995. The big three in television network broadcasting used to be ABC, CBS, and NBC. With the consolidation of the media empires, these three are no longer independent entities. While they were independent, however, each was controlled by a Jew since its inception: ABC by Leonard Goldenson, CBS first by William Paley and then by Lawrence Tisch, and NBC first by David Sarnoff and then by his son Robert. Over periods of several decades, these networks were staffed from top to bottom with Jews, and the essential Jewishness of network television did not change when the networks were absorbed by other corporations. The Jewish presence in television news remains particularly strong. As noted, ABC is part of Eisner's Disney Company, and the executive producers of ABC's news programs are all Jews: Victor Neufeld (20-20), Bob Reichbloom (Good Morning America), and Rick Kaplan (World News Tonight). CBS was recently purchased by Westinghouse Electric Corporation. Nevertheless, the man appointed by Lawrence Tisch, Eric Ober, remains president of CBS News, and Ober is a Jew. At NBC, now owned by General Electirc, NBC News president Andrew Lack is a Jew, as are executive producers Jeff Zucker (Today), Jeff Gralnick (NBC Nightly News), and Neal Shapiro (Dateline). The Print Media After television news, daily newspapers are the most influential information medium in America. Sixty millions of them are sold (and presumably read) each day. These millions are divided among some 1,500 different publications. One might conclude that the sheer number of different newspapers across America would provide a safeguard against Jewish control and distortion. However, this is not the case. These is less independence, less competition, and much less representation of our interests than a casual observer would think. The days when most cities and even towns had several independently owned newspapers published by local people with close ties to the community are gone. Today, most "local" newspapers are owned by a rather small number of large companies controlled by executives who live and work hundreds or even thousands of miles away. The fact is that only about 25 per cent of the country's 1,500 papers are

Blacks to commit acts of violence against Whites. In addition to cable and music, Time Warner is heavily involved in the production of feature films (Warner Brothers Studio) and publishing. Time Warner's publishing division (editor-in-chief Norman Pearlstine, a Jew) is the largest magazine publisher in the country (Time, Sports Illustrated, People, Fortune). When Ted Turner, a Gentile, made a bid to buy CBS in 1985, there was panic in media boardrooms across the nation. Turner made a fortune in advertising and then had built a successful cable-TV news network, CNN. Although Turner employed a number of Jews in key executive positions in CNN and had never taken public positions contrary to Jewish interests, he is a man with a large ego and a strong personality and was regarded by Chairman William Paley (real name Palinsky, a Jew) and the other Jews at CBS as uncontrollable: a loose cannon who might at some time in the future turn against them. Furthermore, Jewish newsman Daniel Schorr, who had worked for Turner, publicly charged that his former boss held a personal dislike for Jews. To block Turner's bid, CBS executives invited billionaire Jewish theatre, hotel, insurance, and cigarette magnate Laurence Tisch to launch a "friendly" takeover of the company, and from 1986 till 1995 Tisch was the chairman and CEO of CBS, removing any threat of non-Jewish influence there. Subsequent efforts by Turner to acquire a major network have been obstructed by Levin's Time Warner, which owns nearly 20 percent of CBS stock and has veto power over major deals. Viacom, Inc, headed by Sumner Redstone (born Murray Rothstien), a Jew, is the third largest megamedia corporation in the country, with revenues of over $ 10 billion a year. Viacom, which produces and distributes TV programs for the three largest networks, owns, 12 television stations and 12 radio stations. It produces feature films through Paramount Pictures, headed by Jewess Sherry Lansing. Its publishing division includes Prentice Hall, Simon & Schuster, and Pocket Books. It distributes videos through over 4,000 Blockbuster stores. Viacom's chief claim to fame, however, is as the world's largest provider of cable programming, through its Showtime, MTV, Nickelodeon, and other networks. Since 1989, MTV and Nickelodeon have acquired larger and larger shares of the younger television audience. With the top three, and by far the largest, media companies in the hand of Jews, it is difficult to believe that such an overwhelming degree of control came about without a deliberate, concerted effort on their part. What about the other big media companies? Number four on the list is Rupert Murdoch's News Corporation, which owns Fox Television and 20th Century Fox Films. Murdoch is a Gentile, but Peter Chermin, who heads Murdoch's film studio and also oversees his TV production, is a Jew. Number five is the Japanese Sony Corporation, whose U.S. subsidiary, Sony Corporation of America, is run by Michael Schulhof, a Jew Alan Levine, another Jew, heads the Sony Pictures division. Most of the television and movie production companies that are not owned by the largest corporations are also controlled by Jews. For example, New World Entertainment, proclaimed by one media analyst as "the premiere independent TV program producer in the United

THE FACTS OF JEWISH MEDIA CONTROL

****

EELECTRONIC NEWS & ENTERTAINMENT MEDIA

The largest media conglomerate today is Walt Disney Company, whose chairman and CEO, Michael Eisner, is a Jew. The Disney Empire, headed by a man described by one media analyst as a "control freak", includes several television production companies (Walt Disney Television, Touchstone Television, Buena Vista Television), its own cable network with 14 million subscribers, and two video production companies. As for feature films, the Walt Disney Picture Group, headed by Joe Roth (also a Jew), includes Touchstone Pictures, Hollywood Pictures, and Caravan Pictures. Disney also owns Miramax Films, run by the Weinstein brothers. When the Disney Company was run by the Gentile Disney family prior to its takeover by Eisner in 1984, it epitomized wholesome, family entertainment. While it still holds the rights to Snow White, under Eisner, the company has expanded into the production of graphic sex and violence. In addition, it has 225 affiliated stations in the United States and is part owner of several European TV companies. ABC's cable subsidiary, ESPN, is headed by president and CEO Steven Bornstein, a Jew. This corporation also has a controlling share of Lifetime Television and the Arts & Entertainment Network cable companies. ABC Radio Network owns eleven AM and ten FM stations, again in major cities such as New York, Washington, Los Angeles, and has over 3,400 affiliates. Although primarily a telecommunications, company, Capital Cities/ABC earned over $ 1 billion in publishing in 1994. It owns seven daily newspapers, Fairchild Publications, Chilton Publications, and the Diversified Publishing Group. Time Warner, Inc, is the second of the international media leviathans. The chairman of the board and CEO, Gerald Levin, is a Jew.Time Warner's subsidiary HBO is the country's largest pay-TV cable network. Warner Music is by far the world largest record company, with 50 labels, the biggest of which is Warner Brothers Records, headed by Danny Goldberg Stuart Hersch is president of Warnervision, Warner Music's video production unit. Goldberg and Hersch are Jews. Warner Music was an early promoter of "gangsta rap." Through its involvement with Interscope Records, it helped pupularize a genre whose graphic lyrics explicitly urge

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No.
CPL-22
VOL:54
ISSUE
05

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER®

We are ISO 9001 certified!!

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers, Air Conditioners, Fluorescent Lamps, High Pressure/High Intensity Discharge Lamps, and, Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link, Mcleod Road, P. O. Box 468,
Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com